

دیوانِ عاقل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آج کوئی نام لیجیے کام کا
جو کہ باعث ہووے اپنے نام کا

صفحۂ دل پر لکھوں نام خدا
ہو سویدا ایک نکتہ نام کا

عمر گزری سوچ میں مجھا و مگر
کچھ نہ سمجھا راز صبح و شام کا

فی الحقیقت پختہ ہیں عشاق حق
کام ہی عشقِ مجازی خام کا

ہوں مخوّف قہر سے جب اُس کے خاص
پھر بھلا کیا پوچھنا ہی عام کا

امر و نہی حق سے ہی کار جہاں
ہی خطا کرنا بڑا ایّام کا

حال جب گزرے تو ماضی ہووے حال
حال کچھ کھلتا نہیں انجام کا

قطعہ

کیوں عجب ہو جاہ شاہ روس پر
اوج تھا یہ شاہ روم و شام کا

اک زمانے میں تو ان سے بھی زیادہ
مرتبہ تھا خسرو و بہرام کا

غور سے دیکھو تو سب اوج و عروج
ایک ثمہ اُس کے ہی انعام کا

حمد لکھی لیکن اب ہوں منفعل
اس زباں کو حوصلہ اُس نام کا

یہ دعا غافل کی یارب ہو قبول
مرتے مرتے دم بھروں اسلام کا

گھر کو مقتل سے پس ذبح جو قاتل آیا ∴ شوق میں ساتھ تڑپتا تن بسمل آیا ∴
بعد مردن مرے وہ حور شمائل آیا مزرعۂ عمر کا اب ہائے یہ حاصل آیا ∴
عقل عشاق کو اللہ نے دی ہے کیسی ہاتھ سے جائے اگر دل تو کہیں دل آیا ∴
بحث تھی ناصح بیہودہ سرا کو مجھ سے شکر ہے دیکھ کر اُس شوخ کو قائل آیا ∴
میری صورت پہ لکھی ہے مری خواہش یارب کہ مجھے دیکھ کے وہ کہتے ہیں سائل آیا ∴
چاہیے قیس کے بھی حال کو جا کر دیکھیں آج بازار میں ہے شور کہ محمل آیا ∴

میری الفت نے یہ تاثیر تو کی ہے بارے
دیکھ کر مجھکو وہ کہتے ہیں کہ عاقل آیا

ہوا بوالہوس بھی ہے خواہاں تمھارا یہ سمجھا ہے کیا وصل آساں تمھارا
کہاں سنے مجنوں کا قصہ سنوگے کہاں میں فسانہ سنوں ہاں تمھارا
یہاں رات دن غم میں روتے رہیں ہم رقیبوں سے واں دل ہو شاداں تمھارا
ہوا بھی نہ آنے دوں دشمن تو کیا ہے جو کردے کوئی مجھ کو درباں تمھارا
اگر زہر دیجے اگر قتل کیجے ∴ تو ہوگا بہت مجھ پہ احساں تمھارا
چلے ہم خفا ہوکے اُس سے تو بولا وہ ہنسکر کہ اللہ نگہباں تمھارا

بہائے ہیں کس کے لیے اشک عاقل ∴
بھرا موتیوں سے ہے داماں تمھارا

نہ پوچھو کہ الفت میں کیا ہوگیا غرض جو کہ ہونا نہ تھا ہوگیا

وہ عشوہ فتنہ سے سوا ہو گیا — وہ غمزہ سراسر قضا ہو گیا
ملا جب سے اندوہ رشک عدو — غم عشق بھی بد مزا ہو گیا
فسانے سُنے ہیں بہت سے ولے — ہمارا عجب ماجرا ہو گیا
مرے قتل سے درگزر کیجیے — کہ جرم وفا ہو گیا ہو گیا
سراسیمگی پر مری یوں ہنسے — عدو کو بھی یہ حوصلہ ہو گیا
ابھی آہ کھینچوں تو دیکھے فلک — کہ لب کے ہلاتے ہی کیا ہو گیا
نہ تھا پیچ کچھ اس میں قاصد اگر — تو رستہ میں کیوں نامہ وا ہو گیا
مجھے قتل کا رنج ہرگز نہیں — یہ غم ہے عدو کا کہا ہو گیا
وہی ہے کہ غمزہ سے تھا بے خبر — وہی ہے کہ اب دل ربا ہو گیا
مجھے رنج کیا غیر کو دو نوید — کہ دلدار صبر آزما ہو گیا
کہا میں نے آئے نہ تم رات کو — کہا فرض تھا جو قضا ہو گیا
غنیمت سمجھ میری رسوائیاں — کہ مشہور تو مہ لقا ہو گیا

حماقت یہ عاقل سے بیشک ہوئی
کہ تم سے یہ یوں مبتلا ہو گیا

میں نے کہا کہ ظلم کا تم سے گماں نہ تھا — شوخی تو دیکھیے آپ بھی کہتے ہیں ہاں نہ تھا
کیا جانتے نہیں ہیں کہ باقی ہے جاں ہنوز — دل ہی کو لے کے بیٹھ رہیں یہ گماں نہ تھا
مجھ پر تو ظلم کرنے میں دونوں شریک تھے — یہ کیوں کہوں کہ آپ ہی تھے آسماں نہ تھا
سن کر تمام حال شب ہجر یوں کہا — افسانہ خوب تھا مگر اتنا بیاں نہ تھا
بنتا گریز پا نہ تمہارے ستم سے کیوں؟ — میری طرح سے صبر تو کچھ ناتواں نہ تھا

ممنوں ہوں میں کہ قتل کیا آپ نے مجھے
میں واں پہنچ گیا کوئی دشمن جہاں نہ تھا

لینا تھا لاغری کا مجھے اپنی امتحان
پر کیا کروں کہ در پہ ترے پاسباں نہ تھا

یوں چرخ کینہ جو نے ملایا ہے خاک میں
گویا کہ نام کو بھی ہمارا نشاں نہ تھا

میرا مرض طبیب بیاں کیوں نہ کر سکا
گونگا نہ تھا۔ مریض نہ تھا۔ ناتواں نہ تھا

جب تک کہ اُس کے در پہ ٹھکانہ رہا مرا
کچھ بھی نظر میں مرتبۂ قدسیاں نہ تھا

اے صبر ہوشیار رہو اے ہوش بس سنبھل
اب تک تو اُن کے مدِ نظر امتحاں نہ تھا

شوخی کرشمہ ناز و ادا سب سہوں مگر
سن لوں کہ شب کو غیر ترا میہماں نہ تھا

فریاد میرے بعد مری ناتوں رہے
کیا رنج نعش پر جو کوئی نوحہ خواں نہ تھا

پینا میر کے پاؤں میں کیوں آبلے پڑے
نالہ جو کوئے یار میں آتش فشاں نہ تھا

کس سرزمیں پہ جمع ہوئے غیر اور تم
حیراں ہوں چرخ تفرقہ انداز واں نہ تھا

اللہ بخشے عاقل خانہ خراب کو ؛
مسکن نہ تھا۔ مکان نہ تھا۔ خانماں نہ تھا

غزل

خضر تھا راہبر سکندر کا ؛
مرگ ہے نام ہجر سے رہبر کا

عزم ہے آج کوئے دلبر کا ؛
آزمانا ہے پھر مقدر کا

اُس کا خط دستِ غیر میں دیکھوں
کیوں نہ ہو رشک نامہ آور کا

لذت جور یار ہی کچھ اور
ظلم ہے اور چرخ اخضر کا

میرا احوال ہجر سن کے کہا
واقعہ یہ سنا ہے محشر کا

وصل جاناں ہوا ہے اس پہ نصیب
ہم مصلا کریں گے بستر کا

اے فلک دیکھ اُس کی گردشِ چشم
لاف زن ہو نہ اپنے چکر کا

دل میں رہتا نہ شوق پامالی ؛
سنگ ہوتا جو میں ترے در کا

تم بھی دیکھو تو اب نہ دیکھ سکو ۔ حال پہنچا یہ جسم لاغر کا
جب کہ گریہ سے ہو چکا برباد ۔ پوچھتے ہیں پتہ مرے گھر کا

سر زنی ہجر میں عبث عاقل
کوئی چارہ نہیں مقدر کا

ثانی

کیا کہوں حال دیدۂ تر کا ۔ ایک رونا ہے غم کے دفتر کا
نہیں خواہاں میں تاج و افسر کا ۔ پاسباں ہوں مگر ترے در کا
لکھ کے خط غیر کو مٹا دیجے ۔ کچھ نوشتہ نہیں مقدر کا
اُس کے کوچہ میں خلق کا ہے ہجوم ۔ کام کیا نکلے مجھ سے لاغر کا
خلد کا ذکر جو کیا واعظ ۔ یہی نقشہ ہے یار کے گھر کا
میں سنوں کیوں پیامبر کی بات ۔ متبع ہوں میں ایک پیمبر کا
آہیں وہ کیا کہ اُن کے لب پہ بھی ۔ لفظ آتا نہیں مکرر کا
اُس کی رفتار نے نکال دیا ۔ خوف رہتا تھا دل میں محشر کا
آنکھ ساقی کی آنکھ سے نہ ملے ۔ لطف کیا آئے دور ساغر کا
خون دل پی رہا ہوں اور اُس پر ۔ میں پیاسا ہوں آب خنجر کا
فلک پیر طفل مکتب ہے ۔ کون ثانی ہے اُس ستمگر کا
آج سفاک نے اتار لیا ۔ بوجھ تھا جسم پر مرے سر کا
فائدہ کیا ہے کون سنتا ہے ۔ ماجرا عاشقان بے زر کا

دیکھی اس قدر خوشی عاقل
کیا کرو وصل ہو جو شب بھر کا

مجھ پہ ہنستا تھا رقیبوں کا کہا کرتا تھا
بزم میں شب کو وہ یوں جور و جفا کرتا تھا

تذکرہ غیر کا یا ذکر مرا کرتا تھا
نامہ بر راست بیاں کر کہ وہ کیا کرتا تھا

کیوں نہ دعویٰ ہو کہ کل دیکھ کے اُس بت کا جمال
ہر بشر وردِ زباں نامِ خدا کرتا تھا

اب تو محروم ہوں نامے سے بھی یا وہ دن تھے
کہیں خود اُس سے مطالب کو ادا کرتا تھا

شکوہ اندوہ شبِ ہجر کا سُن کر بولے
تو تو یوں بھی قلق و غم میں رہا کرتا تھا

وہ ستم کش ہوں کہ مر جاؤں تو حسرت سے کہو
اے فلک میں بھی کبھی جور و جفا کرتا تھا

اب تو ہوں محو خیالِ رُخِ جاناں واعظ
حور کا ذکر کبھی میں پہلے سنا کرتا تھا

رونے کیا آئے مری قبر پہ وہ شوخ کہ جو
نعش پہ مضحکۂ اہلِ عزا کرتا تھا

میرے رونے پہ وہ ہنستا ہے خدا کی قدرت
جس کا دامن مری آنکھوں پہ رہا کرتا تھا

پھر ہے منظور شبِ وعدہ قیامت مجھ پہ
آج پھر مجھ سے وہ پیمانِ وفا کرتا تھا

ہائے وہ محفل اغیار میں بیباک ہے آج
مجھ سے خلوت میں جو کل شرم و حیا کرتا تھا

کیجیےگا جو مرے بعد کسی پہ بیداد
یاد کرنا کہ کوئی جور سہا کرتا تھا

درد بن بن کے وہ اُٹھتا ہے مرے سینہ میں
وصل کی رات میں جو لطف اُٹھا کرتا تھا

آشنا ہے در و دیوار سے ظالم افسوس
وہی سر جو ترے زانو پہ رہا کرتا تھا

بیقراری میں گئی جان ہی آخر عاقل
مضطرب ایسے نہ ہو میں نہ کہا کرتا تھا

چھیڑ کر کچھ حالِ وحشت ذکرِ مجنوں پھر کیا
اِس طرف اُس کو مخاطب میں نے اب یوں پھر کیا

کام تیری چشمِ فتّاں کا نہیں ظالم اگر
یہ دلِ وارستہ میرا کس نے مفتوں پھر کیا

ہیں بدآموز یہ ستمگر شہر میں [illegible]
[illegible] مجھ کو عطا کیوں [illegible] واژوں پھر کیا

پھر گیا ترغیب سے احباب کے گلگشت کو
خندۂ بیجائے گل نے مجھ کو محزوں پھر کیا

گردش تقدیر میری کیا ہی اس کا پوچھنا
آپ ہیں عاشق ہوا یا تو نے مفتوں پھر گیا

مست چشم یار ہوں گردش سے تیری کیا ڈروں
ہاں گیا اب عشق میں نے اس سے گردوں پھر گیا

دیکھیے خود رفتگی سے کیا بنی اب جان پر
ہائے اس دل نے خیال چشم میگوں پھر گیا

یا الٰہی ہٹ گئی چہرہ سے پھر کیا آستین
دیدۂ دریا فشاں نے گھر کو جیحوں پھر گیا

رہ نوردِ وادیٔ وحشت ہوا ہوں عشق میں
زندہ نام عشق میں نے مثلِ مجنوں پھر گیا

بزم دشمن میں رکھا کس نے قدم پھر اے خدا
رات جو نالوں نے میرے عزم گردوں پھر گیا

چھوڑ کر ہرگز نہ کرتا عشق پھر عاقل مگر
اے ستمگر کچھ نہ کچھ تو نے ہی افسوں پھر گیا

پابند کیا ہی شیخ حرام و حلال کا
چل دیکھ اہل میکدہ میں لطف حال کا

کیا میری بیخودی کو زمانہ سمجھ سکے
وہ جانتا ہی محو ہوں جس کے خیال کا

فکر ستم سے اُن کو کہاں فرصت اس قدر
بیٹھے جو قصہ کہنے کوئی اپنے حال کا

کب سے ہوں انتظار میں کیونکر بتا سکوں
فرقت میں لمحہ لمحہ گزرتا ہی سال کا

سو بار زخم دل کا کروں چارہ گر علاج
گر احتمال بھی ہو مجھے اندمال کا

آغاز عشق ہی میں کچھ ایسی ہوئی ہی یاس
امیدوار میں نہیں اچھے مآل کا

ظالم کسی جفا سے نہ ہم دل پہ بل لائے
انشکابِ عدو نے رنگ بڑھایا ملال کا

سو بار اُس کے وعدے ہوئے پر نہیں نامہ بر
اب کیونکہ مان لے کوئی مژدہ وصال کا

تمکین حسن سے جو نہ دیکھے اُٹھا کے آنکھ
وہ کیونکہ دے جواب کسی کے سوال کا

ہی کچھ نہ کچھ کہیں تو کہیں جلوہ ظہور
محتاج حُسنِ یار نہیں ہی خیال کا

عاقلؔ مسافرانہ رہیں کیا وطن میں ہم
اب لے چلا ہی کھینچ کے ڈر بر شگال کا

ردیف الب

عفو کر کل مری خطا یا رب
ہی یہی تجھ سے التجا یا رب

وحدہٗ لا شریک ہی تو ہی
کون ہی ایسا دوسرا یا رب

چھوڑ کر تیرے در کو جاؤں کہاں
جز ترے کون ہی خدا یا رب

شکر نعمت کا تیری کیونکر ہو
اس زباں سے مری ادا یا رب

کیوں نہ ہو رشک مشک و عنبر مو
جب کیا صدق دل کیا یا رب

قطعہ

روسیاہی میں گزری ساری عمر
جز گنہ کچھ نہیں کیا یا رب

کون ہی جس سے میں کہوں احوال
کس کا ہی مجھ کو آسرا یا رب

ہاں عنایت سے تیری ہی امید
ہاں ترا فضل ہی بڑا یا رب

بخش دے تو کرم سے اپنے مجھے
رحمت خاص کر عطا یا رب

بعد عشق تو باد حب نبیؐ
سن لے عاقلؔ کی یہ دعا یا رب

نہیں آتے تم ایک دم صاحب
مجھ کو رہتا ہی یہ الم صاحب

جرم کیا ہی بجز وفا کے مرا
آپ کرتے ہیں کیوں ستم صاحب

اُٹھنے والا ہی پھر کوئی طوفان
پھر بھر آئی اپنی چشم نم صاحب

رشک اس کوچہ کا ہوا ہو گا
مٹ گیا کس لیے ارم صاحب

میں ہوں جھوٹی قسم کے واسطے کیا
میری کھاتے ہو کیوں قسم صاحب

تم سا بیدید میرے گھر آوے
ہی یہ اللہ کا کرم صاحب

کر دیا عشق نے فنا ہم کو
جیتے جی ہم گئے عدم صاحب

آؤں گا اُس گلی میں گر پڑ کے
نہیں اُٹھتا مرا قدم صاحب

کیا ہوا آپ اگر نہیں آتے
غش تو آتا ہی دمبدم صاحب

کیونکہ اُس شوخ سے ملوں کہ جسے
اپنے سایہ سے بھی ہی رم صاحب

عیش ہی غیر کے لیے عاقل ؛؛
اپنی تقدیر میں ہی غم صاحب ؛؛

کرتی ہی دل لگی مجھے زلف دوتا سے اب
جاتی ہی جان اس میں تو جائے بلا سے اب

پھر کام آ پڑا ہی اُسی بے وفا سے اب
پھر خلق تنگ ہی مرے شور و بکا سے اب

پھر جستجو سے نامہ رسا میں ہوں مضطرب
پھر کچھ پیام کہتا ہوں پیکِ صبا سے اب

وہ ظفر ہی سے آکے کہیں ایک دن خدا
لو ہم بھی آگئے ہیں تمہاری دعا سے اب

یہ ناتواں کیا ہی ترے ہجر نے کہ میں
دو دو قدم پہ گرتا ہوں اڑ کر ہوا سے اب

ظالم جفا کو چھوڑ پڑا رہنے دے مجھے
آیا ہوں تیرے در پہ میں کس التجا سے اب

تیرے غمِ فراق تو بس کام کر چکا ؛
کیا سود چارہ گر مجھے تیری دوا سے اب

میں نے تو کچھ کہا نہیں غیر از بیانِ ہجر
بیٹھے ہیں کس لیے وہ الٰہی خفا سے اب

کیا پوچھتے ہو حالِ شبِ تارِ ہجر کو
گزری جو مجھ پہ گزری تمہاری بلا سے اب

دیکھا ہزار بار کہ اُلٹا ہوا اثر
بس ہاتھ اُٹھا کے بیٹھے ہیں ہم تو دعا سے اب

یہ دوستی سے آپ کی حاصل ہوا کہ ہیں
بیگانہ ہو گیا ہوں ہر اک آشنا سے اب

در پردہ جور کرتے ہو ظاہر ہیں ناز ہی
ورنہ غرض وصال سے شرم و حیا سے اب

آخر تو ایک دن کسی حیلے سے موت تھی
مر جاؤں میں تو خوب ہے تیری جفا سے اب

عاشق ہی گر عدو تو اُسی پر ستم کرو
ہم تنگ آ گئے ہیں تمہاری جفا سے اب

عاقل وصال کی بھی اُسی میں ادا ہو کاش
وہ جان لینے بیٹھے ہیں کس کس ادا سے اب

ردیف البا فارسی

مجھ سے ہو کر وہ چلے جب کہ خفا آپ سے آپ
میں نے پوچھی جو خطا اُس نے کہا آپ سے آپ

زلف سے اُس کی لپٹ کر نہیں آئی ہے تو کیا
ہو گئی مشک فشاں باد صبا آپ سے آپ

دیکھتے ہی اُسے حیران ہوا میری طرح
ناصحا خوب ملی تجھ کو سزا آپ سے آپ

میں نے مانا کہ نہیں کہ آہ میں میری تاثیر
جل گیا غیر کا گھر کیونکہ بھلا آپ سے آپ

پوچھتا ہے کوئی احوال جو میرا مجھ سے
ہر طرف نالے کی آتی ہے صدا آپ سے آپ

یہ شرارت کسی موذی ہی کی ہو گی ورنہ
کیوں ہوئے جاتے ہو تم مجھ سے جدا آپ سے آپ

وہ مری نعش پہ ہم راہ عدو کو لائے
حشر سے پہلے ہے حشر بپا آپ سے آپ

میں نے پوچھا کہ نہیں تجھ کو تو الفت میری
مجھ کو کیوں تیری محبت ہے کہا آپ سے آپ

ہیں ہوا خواہ وہی اور وہی عنبر والے
یار کی بگڑی ہی کچھ اب تو ہوا آپ سے آپ

کیا ہی حیرت زدہ ہوں عابد و زاہد عاقل
عاصیوں پر جو کرے رحم خدا آپ سے آپ

ردیف التاء فوقانیہ

وال اُن کو بزم غیر میں عشرت تمام رات
یاں اپنی جان پہ ہی مصیبت تمام رات

جینا نہ چھوڑے گی مجھے فرقت تمام رات
یارب گزار دو یہ سلامت تمام رات

عشاق جانتے ہیں رقیبوں کو کیا خبر
ہوتی ہے جو فراق میں حالت تمام رات

رہتا ہوں خواب میں بھی بیاباں نورد میں
از بس کہ رہتی ہے مجھے وحشت تمام رات

مثل چراغ صبح رہے ہم بجھے بجھے
تھی صبح کے وصال میں دہشت تمام رات

پھر صبح کو ہی دل میں ترے کوچے کی کشش
گو میں نے اس کو کی ہے ملامت تمام رات

سو بار مر کے زندہ ہوئے انتظار میں
کیا کیا خدا کی دیکھی ہے قدرت تمام رات

تجھ سے گلہ فراق کا میں کیونکہ کر سکوں
رہتی ہے سامنے تری صورت تمام رات

سنتا ہوں بس کہ غیر کا افسانہ روز و شب
حیرت تمام دن ہے مجھے حسرت تمام رات

وہ آئے بھی تو لطف نہ آیا وصال کا
کرتے رہے عدو کی شکایت تمام رات

وہ ساتھ غیر کے ہیں خراماں تمام دن
رہتی ہے مجھ پہ ایک قیامت تمام رات

وہ اور بزم عیش و شراب و سرور ہے
میں اور خون دل کا ہی شربت تمام رات

عاقل خدا بھی چاہے تو اب چند روز میں
کاٹا کریں گے آپ بعشرت تمام رات

ردیف الثاء مثلثہ

کیا ہی شرب شراب کا باعث
ہے مگر یہ شباب کا باعث

کچھ گنہ مجھ سے ہی ہوا ورنہ
کیا ہوا اُن کے عتاب کا باعث

شب کو وہ جاگتے ہیں غیر کے ساتھ
یہی دن کے ہے خواب کا باعث

گر نہیں تم کو وصل ہی منظور
پھر سوال و جواب کا باعث

ہجر میں پڑ گئی ہے خو مت پوچھ
وصل میں اضطراب کا باعث

اُس کو تشبیہ اشک سے ہے مگر
ورنہ گوہر میں آب کا باعث

میں نے مانا کہ تم ہو پردہ نشیں
نگہ بے حجاب کا باعث

اُس کے عارض کا عکس پڑتا ہے
ہے یہی مہ کی تاب کا باعث

میں اور اُس بُت کا عشق ہے توبہ
دلِ خانہ خراب کا باعث

تم کو عاقل سے گر نہیں نفرت
پھر ہے کیا اجتناب کا باعث

ردیف الجیم

اُس بت کا ہوا اِدھر گزر آج
گویا مجھے مل گئے خضر آج

دیں آنکھیں اُس کی غیر سرمہ
کیونکر نہ کروں میں چشم تر آج

وعدہ بھی کیا تو اس میں یہ شرط
سو جائے رقیب شب کو گر آج

خاموش ہوا جو دے کے خط تو
کیا بات ہو ایسی نامہ بر آج

ہوتا ہی بیاں بھی دم روانہ
کرتا ہی سفر وہ سیمبر آج

یوں وصل کبھی ہو اُس کا حاصل
بھر دیکھ لوں اُس کو اک نظر آج

کہتے ہیں وہ طعن سے تمہارے
نالوں کا ہوا نہ کیوں اثر آج

کیوں گھر کو لٹا رہا ہوں اپنے
شاید گئے پھر کے وہ گھر آج

طولِ شبِ ہجر سے ہی ظاہر
ہونے کی نہیں مگر سحر آج

کیا جانو وفائے وعدہ کو تم
کہتے ہی رہے ہو عمر بھر آج

دیوانہ ہوا ہی اُس پہ عاقلؔ
مشہور ہوئی ہی یہ خبر آج

روکو مجھے جانے سے نہ سفاک کے گھر آج
ایسا نہ وہ آجائے اڑا جائے گا سر آج

کس کا رخِ تاباں مجھے آیا ہی نظر آج
پھیکی نہیں کیوں رونقِ شمس و قمر آج

جب کچھ نہ رہا مجھ میں تو بیکار ہی سب کچھ
ہونا بھی ہی نالہ کا تو ہو جائے اثر آج

واں وصل عدو کا ہی بڑی دھوم سے ساماں
ہیں اے دلِ غمگیں تجھے لے جاؤں کدھر آج

قاصد کو گئے دیر ہوئی ہی ابھی کیسا ہو
آجائے وہ لے کر بھی ہمراہ اگر آج

مے ہو کہ نہ ہو تیری ہی صحبت ہی غنیمت
چھوڑیں گے نہیں پیرِ مغاں ہم ترا در آج

مدت سے ہوں میں لذتِ آزار کا خوگر
ناحق ہی احبا کو سرِ دردِ جگر آج

وہ مجھ سے ملے رنج و الم دل سے ہوئے دور
گویا کہ ملا میری دعاؤں سے اثر آج

بھر جائے ہوا کاش مرے درد و فغاں سے
خالی نظر آتا ہی مجھے غیر کا گھر آج

اک خواہشِ بوسہ پہ تو کل سے وہ خفا ہیں
کیا کچھ کہیں میں وصل کا خواہاں ہوں اگر آج

تم ساتھ عدو کے بیہوش ہو کے تھے تاب
کیوں پوچھتے ہو سرخ ہیں کیوں دیدۂ تر آج

دان دفن ہوئے بھی ہوئے قاصد کو کئی دن
یاں روز یقین یہ ہے کہ آتی ہے خبر آج

ہے بوالہوس تیرہ دروں عشق کا داعی
اے اہل جہاں ہے وہ ستم پیشہ کدھر آج

تھا ہجر تو تھا دل میں ترے وصل کا سامان
ہے وصل تو کیا تیری نزاکت کا ہے ڈر آج

انصاف کی خواہش تھی مگر دیکھ کے انبوہ
محشر میں بھی ہے رشک رخ رشک قمر آج

کس ناز سے قاتل نے مجھے آکے اٹھایا
کس لطف کی ہوا ہے شب غم تیری سحر آج

عاقل وہ بھلا آپ سے کب آتے مرے گھر
لایا ہے مگر کھینچ کے نالوں کا اثر آج

ردیف الجیم فارسی

کیوں یہاں آؤ تم کو کیا لالچ
لے لیا دل کہ جس کا تھا لالچ

لطف بوسہ بھی مفت میں کھویا
ہائے کیوں وصل کا کیا لالچ

مفلسی صاف شکل سے ہے عیاں
نامہ بر کو ہو مجھ سے کیا لالچ

چھوڑ دیں ہم بھی عشق گر اے شیخ
پارسائی ہے حور کا لالچ

گنج رسوائی غیر رکھتا ہے
ان کو کس مال کا ہوا لالچ

کوچۂ سیمتن کو دکھلایا
ہے ہمارا تو رہنما لالچ

دولت وصل کی یہ طمع نہ تھی
پہلے بھی بار ہا رہا لالچ

اس قدر مال و زر کہاں سے لاؤں
دے سکے اس کو کوئی تا لالچ

غیر ہے پاسباں کہ دل میں مرے
آئے پائے نہ وصل کا لالچ

مال و زر کیا ہی عشق میں عاقل
سلطنت کا نہ ہو ذرا لالچ

سوچتا اب کیا ہی بس شمشیر کھینچ
قتل کرتا ہی تو بے تاخیر کھینچ

آج کس خواری سے نکلیں دیکھیے
تیرے در پر لائی پھر تقدیر کھینچ

پھر نہیں وہ ملتفت اے دل ادھر
ہجر میں پھر نالۂ شبگیر کھینچ

شانہ کش ہی غیر تیری زلف میں
پاؤں کی پھر سے تو اب زنجیر کھینچ

پند کیا کرتا ہی تو اے پند گو
دل سے میرے اُس نگہ کا تیر کھینچ

جس نے دیکھا اُس کو بیخود ہو گیا
کون ہی جس سے کھول تصویر کھینچ

کھینچتا ہی غیر تیرے ہاتھ کو
تو بھی دست عاشق دلگیر کھینچ

دل مرے قبضہ میں آیا تھا ابھی
لے گئے وہ پھر بہ تقدیر کھینچ

کیا لکھے دیتا ہی ہائی اے قضا
دیکھ دست کاتب تقدیر کھینچ

اک نگہ میں کام ہوتا ہی مرا
دست نازک سے نہ تو شمشیر کھینچ

دیکھتا کیا ہی مری صورت کو تو
اے مصور یار کی تصویر کھینچ

ہار وہ جاتا ہی عاقل ہوشیار
دیر کیا ہی آہ پر تاثیر کھینچ

وصلت دلدار کی تدبیر ہی ہیچ
لکھی ہی پہلے ہی سے تقدیر ہیچ

اے دل غمگیں جو ہو تاثیر ہی ہیچ
روز میں پھر نالۂ شبگیر ہیچ

دیکھیے وہ شوکت پیر مغاں
خسرو و جم کی بھی ہی توقیر ہیچ

منہ سے میرے ہی سنو تم آپ آو
قاصد بدبخت کی تقریر ہیچ

ایک تیرے وصل کی اچھی ہی فکر
اور ہی سب کوشش و تدبیر ہیچ

سامنے رخ کے ترے انساں تو کیا
نیرِ اعظم کی بھی تنویر ہیچ

خامشی کی وجہ جو پوچھی کہا
بولئے کس سے تری تقریر ہیچ

کھینچتے اب عاشق دلگیر کو
ہاتھ ہیں یوں قبضۂ شمشیر ہیچ

سنتے تھے مجنوں ہی کو ہم عشق میں
حضرت عاقل کی بھی تقدیر ہیچ

ردیف الحا

عمر بھر پڑھتے رہے ہم ترے در پر تسبیح
پر ہوئی کوئی نہ اب تک تو موثر تسبیح

نامہ بر دیکھیے کب آتا ہے کیا کہتا ہے
بس رہتی ہے ہمیشہ مرے لب پر تسبیح

ہجر بیداری شب اُس کا ہی آنا نہ ہوا
کیوں پڑھی صبح تلک میں نے برابر تسبیح

شیخ جی جی میں سراسر ہو بھرا مکر و فریب
مرات دل کو وہ کرتی ہے مکدر تسبیح

ناصحا جس کو ہو ہر وقت خیال جاناں
یادِ جاناں کے سوا وہ پڑھے کیونکر تسبیح

کہدیا غیر نے یہ کوئی عمل پڑھتا ہے
چھین لی ہاتھ سے اُس نے مرے ہنس کر تسبیح

میرے مرنے کی خبر سن کے وہ کافر بولا
ہم بھی ہاں بخشیں گے آدھی اُسے پڑھ کر تسبیح

چپ ہوا شعار کی تسبیح ہے جھوٹی عاقل
کلمہ پڑھ نہیں اس سے کوئی بہتر تسبیح

ردیف الخا

دیکھیں گے ہم تو دیکھنے آئے ہیں آج رُخ
تیرا اگر نہیں تو نہ ہو بد مزاج رُخ

جاری ہی سیل اشک بدن میں لگی ہی آگ
کس شعلہ رو کا دیکھ لیا میں نے آج رُخ

دیکھے سے اُس جمال کے آتی ہی جان سی
ہم ہیں مریض عشق ہی اپنا علاج رُخ

ردیف الدال

کوی عاشق نہ ہوا میرے بعد
عشق کا نام مٹا میرے بعد

اور بھی کوی ہی مجھ سا کہ خدا
دہر میں آئی بلا میرے بعد

منع کرنا مرا مانا نہ طبیب
مُفت بدنام ہوا میرے بعد

موردِ جور و جفا ہوں اب میں
کس پہ ہووے گی جفا میرے بعد

میرے اُٹھتے ہی جہاں سے بالکل
اُٹھ گیا نام وفا میرے بعد

وہ نہیں آئے جنازہ پہ تو کیوں
فتنۂ و شور اُٹھا میرے بعد

میری غیرت کو خدا نے رکھا
غیر سے یار ملا میرے بعد

سربازار وہ نکلا صد شکر
کہ ہوا حشر بپا میرے بعد

آہ کو خوب ملا وقتِ اثر
خانۂ غیر جلا میرے بعد

زندگی میں نہیں آئے جب تم
قبر پہ آوگے کیا میرے بعد

عشق کو چھوڑوں میں کس پر عاقل
کون ایسا ہی بھلا میرے بعد

ردیف الذال

سنتے ہیں اک عمر سے قند و شکر لذیذ
اُس کے لبوں سے مگر کچھ نہیں بڑھ کر لذیذ

بادۂ عشق بتاں پی کے گزک ہے یہی
ہووے نہ معلوم پھر غم مجھے کیونکر لذیذ

زہر میں اور شہد میں عشق نے رکھا نہ فرق
لب پہ نہ ہو تلخ ہو وہ نہ زباں پر لذیذ

نام سے کچھ موت کے دم میں دم آتا ہے یاں
سختی ہنگام نزع ہوگی مقرر لذیذ

شہد و نبات و شکر نعمتیں دنیا کی سب
کوئی بتا دے ہمیں بوسے سے بہتر لذیذ

بس کہ ہے اُستاد کے فیض کی یہ چاشنی
شعر کو غافل مرے کہتے ہیں اکثر لذیذ

ردیف الراء

رنج و غم دل سے نکل جائیں سب ارماں ہو کر
رہیں اے کاش مرے گھر میں وہ مہماں ہو کر

ایکہیں جی گئے ہم قتل کے شاداں ہو کر
زیست مشکل تھی مگر کٹ گئی آساں ہو کر

میرا کاشانہ الٰہی کہیں زنداں بن جائے
وہ تو مشہور ہوئے یوسف کنعاں ہو کر

صبر و ہوش و خرد و تاب و تواں کچھ نہ رہا
دل لگاتے ہیں مگر بے سر و ساماں ہو کر

کیا خدا جانے ہے واں فتنۂ محشر برپا
لوگ آتے ہیں کچھ اُس کوچے سے بد اوساں ہو کر

جمع ہوتی ہیں فلک پر مری آہیں جا کر
برق بن جائیں گی آخر کو فروزاں ہو کر

بت کے کہنے سے خفا ہو کے وہ یوں کہتے ہیں
دل دیا کیونکہ مجھے تو نے مسلماں ہو کر

کوی ارمان نہ نکلا میرے دل سے افسوس
جان نکلے گی مگر اب مرے ارماں ہو کر

پہلے اک قطرہ مری چشم سے ٹپکا تھا کہیں
اب زمانہ میں ہی مشہور وہ طوفاں ہو کر

بوالہوس باد سحر نامہ بر اُس کو سے غرض
کون ایسا ہی کہ آیا نہ پریشاں ہو کر

حضرت عشق نے دکھا نہ کسی کا ہمکو
سارے غم جاتے رہے اک غم ہجراں ہو کر

مجھ پہ ہوتے ہیں ستمہاے نمایاں کیسے
جب کبھی غیر سے ملتے ہیں وہ پنہاں ہو کر

ہیں ہی کچھ جبرتی حسن نہیں ہوں کہ وہ خود
دیکھ کر آئینے کو رہ گئے حیراں ہو کر

یہ بھی جیسا ہی جو کہتے ہیں پری کہنے سے
مجھ سے ملنا تجھے بھتا نہیں انساں ہو کر

جان بھی دینے پہ موجود ہوں میں تو ہمدم
نعش پر ہی کہیں وہ آئیں پشیماں ہو کر

وصل اُس غیرت بلقیس کا ہو وے تو ہی لطف
ورنہ کیا عیش ہو عاقل کو سلیماں ہو کر

ردیف الزاء

لیتا ہی خون فصد میں کیوں جانکر عزیز
قاتل ہی کا ہی تو بھی مگر چارہ گر عزیز

نایاب چیز رکھتا ہی دل سے بشر عزیز
اُس شوخ کی نہ ہوئے مجھے کیونکر کمر عزیز

ایسے ہی وہ کہ یاد کریں گے قسم پہ ہاں
جھوٹی قسم کے واسطے ہی میرا سر عزیز

جاتا ہی میرے کام کو دیتا ہی داد ظلم
کیونکر نہ ہو انھیں مرا پیغامبر عزیز

ناصح دماغ میں مرے طاقت نہیں رہی
خاموش ہو ذرا تو خدا سے بھی ڈر عزیز

عادی ہیں وصل غیر کے وہ یاں فراق کے
اُنکو شب عزیز ہی مجھکو سحر عزیز

کیا شکوہ سنج دشمن و افلاک و بخت ہوں
برگشتہ ہوگیا ہی مرا مجھ سے ہر عزیز

ہاں بعدِ مرگ جاتے ہیں واعظ بہشت میں
پر کیا کریں کہ ہم کو بتوں کا ہو گھر عزیز

زندانِ عشق غیرتِ یوسف میں قید ہوں
اتنا بھی اب نہیں کہ کوئی لے خبر عزیز

عاقل عزیز رکھتے ہیں اہلِ جہاں اُسے
ہو جس کو اسمِ حضرتِ خیر البشر عزیز

ردیف السین

عشق اُس بت سے کیوں کیا افسوس
جان کو مفت کھو دیا افسوس

سرِ زلفِ بتاں ہو اور میں ہوں
لگ گئی جان کو بلا افسوس

میری جیتے چارہ گر مسیحا کے
کوئی کرتا نہیں دوا افسوس

کیوں کہا دوست سے کہ عاشق ہوں
مفت دشمن بنا لیا افسوس

غم کے آگے تو من و سلویٰ ہیں
نہیں ملتا مجھے مزا افسوس

نکلے سو بار اُس گلی سے ولے
ایک نکلا نہ مدعا افسوس

مجھ کو کہتے ہیں باوفا سب لوگ
تم کو کہتے ہیں بے وفا افسوس

شکوۂ ہجر وصل میں کیا تھا
کر دیا اُس کو کیوں خفا افسوس

سُن کے احوال میرے مرنے کا
بولے ہنسکر کہ ہاں ہوا افسوس

تھی خوشی اُس کی مصلحت ورنہ
میں کروں مرگِ غیر کا افسوس

غم سے یاں جان پر بنی عاقل
وہ وہاں عیش میں رہا افسوس

ردیف الشین

نہیں ڈر مجھ کو برسا دیں اگر ہفت آسماں آتش
کہ اب تو ہو گیا ہوں خود سراپا جسم و جاں آتش

کبھی ہے رشک کی حرقت تپِ غم کی کبھی شدت
ہزاروں طور سے لیتی ہے میرا امتحاں آتش

ہوئی تاثیر میری آہ کی جو اتنا روشن ہے
عدو کے گھر میں ورنہ ایسی لگتی تھی کہاں آتش

الٰہی کیا کروں ان دو بلاؤں سے بچوں کیونکر
تپِ غم ہے ادھر اور ہے ادھر سوزِ نہاں آتش

ہمہ اس میں یہ تھا یعنی دل تیرا جلے گا یوں
جلا کر کیوں دکھاتا ورنہ وہ آتش بیاں آتش

بقول حضرت احسن یہی اندیشہ ہے عاقل
کروں کیا بات میں اُن سے کہ ہے زیر زباں آتش

ردیف الصاد

گر جان حزیں ہے تنِ لاغر سے مرخص
گہ ہوش و خرد ہیں دلِ مضطر سے مرخص

گر جام نہیں مے تو ہے اے پیرِ خرابات
ہم تو نہ کبھی ہونگے ترے در سے مرخص

کیوں چھوڑی مرے پاؤں کی افسوس رفاقت
کیوں خار ہوئے آبلۂ تر سے مرخص

وہ مجھ سے تو رخصت ہوئے پر مجھ کو یہ ڈر ہے
یہ روح نہ ہووے تنِ لاغر سے مرخص

کب جاتا ہوں مے خانہ سے جاؤں گا تو ہاں لیں
اک مرتبہ نکلے لبِ ساغر سے مرخص

وہ ایسے ملے وقتِ سفر مجھ سے کہ کوئی
ہووے گا نہ کمتر سے بھی کمتر سے مرخص

وہ دن بھی اب آتا ہے خدا چاہے تو عاقل
جنت میں چلیں ہو کے پیمبر سے مرخص

ردیف الضاد

وصل ہی تجھ سے کے تعب کا عوض / ڈھونڈھ پھرا ہو کہیں شب کا عوض
اب تو تو سنہ کلام کرنے لگا / مل گیا مجھ کو ہیں ادب کا عوض
کوئی تقصیر بھی تو ہوا سے چرخ / مجھ سے لیتا ہی تو یہ کب کا عوض
ہم بھی اکتا کر کے دیکھیں گے / در گیا ہی ترے غضب کا عوض
شکر ہی غیر سے ہوئی رنجش / یہ ملا تم کو میرے ڈھب کا عوض
لاکھ قند و نبات ہو لیکن / ہو نہیں سکتا تیرے لب کا عوض
خون دل ہی کو ہم پیئں گے / ساقیا دختر عنب کا عوض
سب جتنے صدمے ہوئے ہیں فرقت میں / ایک دن لونگا تم سے سب کا عوض
چھوڑ دی اب تو بات بھی کرنی / نہ ہوا اوسے کی طلب کا عوض
بیش مجھ کو کہاں نصیب ہوا / چرخ لیتا ہی کس طرب کا عوض

اور سے دل لگا سے یوں عاقل
ہی ترے ظلم بے سبب کا عوض

ردیف الطاء

انساں بہت نہیں ہیں تمہارا کہا غلط / پرچا ہو کوئی مجھ سا ملے دوسرا غلط
کیا رسیب حسن ہو کہ نہیں طاقت سخن / کہتا ہوں اپنا آپ ہی میں ماجرا غلط

ہم نے تو اپنا حال اُسے سب سنا دیا / ہر چند بات بات پہ کہتا رہا غلط

کیا خاک اُس سے ہو امیدی کہ جب / بتلائے راہ مجھکو مرا رہنما غلط

گزری ہو جس پہ اُس کو تاسف ہو حال پر / کیا جانے وہ کہ کہتا ہوں میں راست یا غلط

کیا خوب آپ کا تو ہو وعدہ غلط درست / اور میری آہ و زاری و شور و بکا غلط

ہاں ہم نے دل دیا تجھے بیشک بُرا کیا / کہتا نہیں ہی تو بھی یہ اُسے بے وفا غلط

ہیں خوش کہ میرا حال یہ سنتے ہیں آج سب / وہ چھپا کہ عہد غیر سے تم ہو وے نہ آ غلط

ہی کل کا ذکر پھرتا تھا آوارہ کو بہ کو / عاقل کو کہوے کوئی اگر پارسا غلط

ردیف الظاء

یوں رہتے مرے نالہ شبگیر سے محفوظ / کیا چاہیں وہ کیونکر رہے تدبیر سے محفوظ

میں کیا ہوں کہ مقتول ہوئے صید حرم تک / اللہ رکھے اُس دم شمشیر سے محفوظ

حیران ہوں یہ سحر ہی یا کوئی عمل ہی / ہی کون ترے حسن کی تسخیر سے محفوظ

الفت میں سر گیسوئے دلدار نہیں ہی / گویا کہ رہا قید میں زنجیر سے محفوظ

ہیں اُن کی جفاؤں کے اُٹھانے سے بھی خوش ہوں / لیکن رہوں ظلم فلک پیر سے محفوظ

کیا کیا نہیں کرتے وہ مرے قتل کا سامان / رہ جاؤں تو ہاں اپنی ہی تقدیر سے محفوظ

ہاں جان نکلتی نہیں آتے نہیں وہ بھی / اللہ رکھے دونوں کی تاخیر سے محفوظ

عاقل مری آہوں میں اثر کچھ نہیں ورنہ / رہ سکتے وہ کب آہ کی تاثیر سے محفوظ

ردیف العین

ہے زمانہ کو انقلاب شروع
ساقیا ساغرِ شراب شروع

پھر وہی بے قراریاں کی ہیں
اے دلِ خانماں خراب شروع

پھر ملا ہی تمہیں کوئی منظور
پھر ہوا مجھ سے کیوں حجاب شروع

گر نہیں یادِ زلفِ یار تو کیوں
پھر ہوا مجھ کو پیچ و تاب شروع

یاد آیا شبِ فراق کا سال
قبر میں جب ہوا عذاب شروع

تا نہ غافل ہو طالبِ بوسہ
اس لیے کرتے ہیں عتاب شروع

ردیف الغین

داغِ دل نے رکھا ہی پایا تو مدفن چراغ
کیوں کسی نے قبر پہ میری کیا روشن چراغ

جس نے چاہا تھا جلائے اس نے تربت در کی
جا نہیں اغیار کے گھر آہِ آتش زن چراغ

داغ سینے میں بھڑک اٹھتے ہیں طعنِ غیر سے
ہر جگہ وہ ہے جہاں جلتا ہے بے روغن چراغ

گر بڑا ہوگا کوئی دل زلف میں سے رات کو
کیوں لیے پھرتا تھا ورنہ وہ بتِ پرفن چراغ

[illegible] ہر دم ہیں کہ وہ رکھتے ہیں اپنے روبرو
رشک ہے مجھ کو کہ ہوتا کاش میرا تن چراغ

دل گئے ہیں سیرِ گلشن کو مدد اے قرط آہ
چاہیے روشن ہوں یاں تا درِ گلشن چراغ

انجمن میں شمع کی کیا اس کے آگے ہو نمود
جس کے رخ کے سامنے مہ کا نہ ہو روشن چراغ

تو نے عاقل کیا شب وصلت میں کی ہے روشنی
شہر میں جو ڈھونڈتے پھرتے ہیں مردوزن چراغ

ردیف التاء

جان دیتے ہیں اپنی ہم صد حسرت
جانتا ہی تمہیں صنم صد حسرت

تپشِ دل ہوئی نہ کم صد حسرت
اُٹھتی جاتی ہے دمبدم صد حسرت

غیر کے حال پر عنایت ہے
اپنا ادھر کو نہیں کرم صد حسرت

ایک مدت میں وہ تو خط لکھیں
اور ٹوٹے ابھی قلم صد حسرت

دن تو امیدِ وصل میں گزرا
شب کو ہے ہجر کا الم صد حسرت

یہ بھی تھی قدرتِ خدا عاقل
مجھ سے عاقل پہ ہو ستم صد حسرت

ردیف القاف

جب کہ روزِ ازل بٹا ہی عشق
سب سے پہلے مجھے ملا ہی عشق

اُس کے کوچے میں بک رہا ہی عشق
کون دیکھیں خریدتا ہی عشق

جس جگہ سُنیے ذکر ہی اُس کا
جس کو دیکھو اُسے ہوا ہی عشق

مانعِ عشق ہیں ملامت گر
اُن سے پوچھے کوئی کہ کیا ہی عشق

گرچہ ہو عشق زہر انساں کو
پر ہمارے لیے دوا ہی عشق

ہوش رہتے نہیں کسی کے بجا / ہاں مگر مرد آزما ہی عشق
پوچھے عشاق سے کوئی دل سے / یوں تو کہنے ہیں سب بلا ہی عشق
سب یہ پند گو نہیں بکتا / سایہ ہی یا جنوں ہی یا ہی عشق
جس نے دیکھا مجھے کہا عاشق / میری صورت ہی پر لکھا ہی عشق
بوالہوس کو نہیں وہی نہ ملے / ہیں نے چھوڑا جو اسے خدا ہی عشق
پند گو آدمی نہیں ورنہ / سب کو اللہ نے دیا ہی عشق
دیکھیے کیونکہ چھٹتے جی چھوٹوں / آج کل بے طرح ہوا ہی عشق
غیر کو بھی تو کوئی سمجھا دے / ورنہ میرا ہی کیا نیا ہی عشق

غلطی اور آپ سے عاقل
اس سے کیا جا کے کہا ہی عشق

ردیف الکاف

کیا دیکھیے گزرتی ہی ہم پر وصال تک / وعدہ کیا ہی وصل کا آیندہ سال تک
وہ تنگئی دہن کے سبب سے ہیں اپنی خموش / یاں رعب سے زباں پہ نہیں ہی سوال تک
ایسا نہیں ہی زخم کہ اچھا ہو چارہ گر / ناسور لاکھ ہوں گے یہاں اندمال تک
اس دشت پر خطر میں ہوں میں زاہد وہاں / پہنچا نہ ہووے مرکب وہم و خیال تک
کیونکر سوال وصل کرے ان سے وہ ندیم / جس نے کبھی کہا ہی نہ ہو اپنا حال تک
بارش کی کیا ضرور ہی پھر کشت کو اگر / سیلاب گریہ یوں ہی رہا برشکال تک
ہم بزم ہو کے ان کے ہوئے ہیں وہ بس عزیز / جو لوگ جانتے ہی نہیں خط و خال تک

کیا آشتی کی اُس سے رہے پھر مجھے اُمید
موقوف جس سے ہیں سخنان ملال تک

پیر مغاں سے ربط ہے ساقی سے دوستی
اپنا تو حال ہے یہی ماضی سے حال تک

صاحبت غیر تو رہیں ہر دم تمہارے پاس
اور میرا ایک بار نہ آئے خیال تک

احوالِ نزع تجھ سے نہ کچھ پوچھ ہمنشیں
کیا جانے دم رکا ہے یہ کس کے جمال تک

صورت نہیں ہے وصل کی یوں تو کوئی مگر
زندہ رہوں رقیب کے ہیں انتقال تک

عاقل یہ رعب ہے کہ کوئی اُس کی باتیں
کیا تاب کر سکے جو ذرا قیل و قال تک

ردیف الکاف فارسی

دل کو میرے خانۂ رنج و محن کہتے ہیں لوگ
کیا غلط ہے گر تمہیں بیداد فن کہتے ہیں لوگ

مطلع ثانی
میں وہ وحشی ہوں کہ مجھ کو بے وطن کہتے ہیں لوگ
تم وہ مہوش ہو کہ زیب انجمن کہتے ہیں لوگ

خوبیٔ قسمت کہ اب باقی نہیں کوئی امید
راہبر کو بھی ہمارے راہزن کہتے ہیں لوگ

ہے تعجب غیر کا دل ہاتھ میں کیونکر لیا
شرم کیجے آپ کو نازک بدن کہتے ہیں لوگ

اپنی حالت کا نہیں کچھ غم مگر یہ رنج ہے
میرے باعث سے تمہیں بیداد فن کہتے ہیں لوگ

آج کرتے ہیں کہیں مجھ صید جاں برلب کو قتل
دیکھیں پھر بھی آپ کو ناوک فگن کہتے ہیں لوگ

اک سوالِ وصل پر ناحق خفا ہوتے ہو کیوں
میں ہوں مفلس اور تم کو سیم تن کہتے ہیں لوگ

سامنے تیرے فلک لافِ ستم کیا کر سکے
نوجوان تو اُسے چرخ کہن کہتے ہیں لوگ

اس قدر کیوں غیر سے ہے گفتگوئے اختلاط
میں تو سنتا تھا کہ تم کو کم سخن کہتے ہیں لوگ

تلخیٔ الفت بری ہے دیکھ عاقل باز آ
جان شیریں دے چکا ہے کوہکن کہتے ہیں لوگ

ردیف اللام

اگر عشق ہوتا چھپانے کے قابل
تو کیوں داغ ہوتا دکھانے کے قابل

نکل جائے دم بھی اگر جانتا ہوں
نہیں وہ مرے دم میں آنے کے قابل

نگہ کثرتِ خلق سے واں نہیں ہے
مرے وہم کے بھی ٹھکانے کے قابل

نہیں ضعف سے مجھ میں طاقت وگرنہ
ترے جور سب ہیں اٹھانے کے قابل

ہوا کب یہ افسانۂ غم ہمارا
تو لانے کے قابل سنانے کے قابل

بلا زلف اُس کی نگہ اُس کی بیمار
بھلا کیوں نہ ہو وہ ستانے کے قابل

مجھے دیکھ کر ہاتھ اُٹھتا ہے قاتل
کہ دنیا سے ہے یہ اٹھانے کے قابل

نقاب اپنے رخ سے اُٹھاتے تو ہو تم
کوئی دیکھ لو تاب لانے کے قابل

جفا کی شکایت کو سُن کر یہ بولے
نہیں تم رہے آزمانے کے قابل

فقط دل اُن کو سننے سے باور نہیں ہے
کروں کیا نہیں دل دکھانے کے قابل

اگر میں ہوں نادان و جاہل تو واعظ
پھنسے عشق میں کیوں زمانے کے قابل

سہے جو مصائب ہیں عشقِ بتاں میں
نہیں ہیں یہ دل سے بھلانے کے قابل

نہوں کیونکہ میں تنگ سارے جہاں میں
کہ پھر کون ہے غم اُٹھانے کے قابل

سُنا قصۂ غم تو ہنس کر یہ بولے
ترا ماجرا ہے رلانے کے قابل

یہی لاف ہر فن میں گر ہے تو عاقل
چلو تم سہی اک زمانے کے قابل

***

ردیف المیم

وہ کہتے ہیں اب نہ آئیں گے ہم
آنکھوں پہ کسے بٹھائیں گے ہم

کیا تم سے نہ مل سکے کریں گے
ہاں اپنا ہی دل جلائیں گے ہم

زنداں سے اگر خضر نکالے
اُس کوچے کی خاک اڑائیں گے ہم

لے جاؤ عدو کو ساتھ حمام
اشکوں سے کہاں نہائیں گے ہم

اب یار ہی آئیں گے وہ لیکن
سب جان سے اپنی جائیں گے ہم

تو ہم کو بلا عذاب سے واعظ ؛
اُس بُت سے تجھے ملائیں گے ہم

کھاؤ گے جو غیر کی قسم تم ؛
کچھ غم کے سوا نہ کھائیں گے ہم

سب شکوہ کریں گے اُس سے عاقل
خلوت کا جو وقت پائیں گے ہم

کہتے ہو اعدا سے تجھ کو بد تریں کہتے ہیں ہم
اور پھر کہتے ہو صاحب کچھ نہیں کہتے ہیں ہم

یاس و حرماں رنج و غم درد و الم سہتے ہیں ہم
اس لیے فرقت میں ان کو ہمنشیں کہتے ہیں ہم

کچھ اثر خوف خدا کا نے سرایت رحم کی
تیرے دل کو اے ستمگر آہنیں کہتے ہیں ہم

وصل کی شب کا بیاں جس نے کیا بالکل غلط
بات ایسی غیر کے آگے کہیں کہتے ہیں ہم

ایک مدت ہو گئی ایک عمر گزری دور ہیں
ہاں تصور میں تو اُس بت کو قریں کہتے ہیں ہم

غیر کے آگے برا کہنا یہ کچھ اچھا نہیں
گو کہ اپنے آپ کو خود کمتریں کہتے ہیں ہم

یوں تو وقت ذبح لب پر وائے ویلا ہی مگر
دل میں قاتل کو کروڑوں آفریں کہتے ہیں ہم

اس قدر عاقل بڑھی دیوانگی سے سر پہ خاک
جیتے جی اپنے کو اب زیر زمیں کہتے ہیں ہم

ردیف النون

بزم سے اُس کی جب نکلتا ہوں
حسرت دم پہ تنکا سا چلتا ہوں

اُس سے اپنا پیارے ہوں جدا
کب چمن دیکھ کر بہلتا ہوں

ملتے ہیں دست غیر میں وہ حنا
کف افسوس یاں میں ملتا ہوں

گریہ ہو یا کہ آتش غم سے
شمع ساں رات دن پگھلتا ہوں

آگ تیری زباں میں ای ناصح
کہ نصیحت سے تیری جلتا ہوں

نہیں جاتا عدم کو اے عاقل
دل کے بہلانے کو نکلتا ہوں

کیوں اُن کو کہوں بُرا بھلا میں
ہوں آپ ہی قابل سزا میں

اس ربط سے خوش ہوں ہا سے لیکن
تو تابع غیر اور ترا میں

میں خاک میں ملنے سے بھی خوش ہوں
ای کاش ہوں اُس کا نقش پا میں

دیر آئے درست آئے بولے
جب شوق وصال کہہ چکا میں

سب مان لوں تیرے پند ناصح
لیکن اُسے دیکھ لوں ذرا میں

ہر روز الٰہی نامہ بر کی
کب تک کیے جاؤں التجا میں

دنیا میں ہوئے ہیں دو ہی عاشق
ایک قیس تھا اور دوسرا میں

دیکھا نہ جہاں میں آ کے کچھ بھی / اے کاش تمہیں نہ دیکھتا میں
کیوں چرخ نہ خاک میں ملا دے / جب اُس کی نظر میں گر پڑا میں
کیا لطفِ وصال اُٹھے ہائے ہائے / ہو جاؤں اگر رقیب سا میں
بیتابیِ عشق کا بُرا ہو / غیروں سے ہوں راہ پوچھتا میں
کیا ہو وے ہی ترکِ عشق سے اب / رسوائے جہاں تو ہو چکا میں
خود رفتہ ہوں کہوں کہ ہوں دم مرگ / مقتول ہوں چشم مست کا میں

قطعہ

اک روز کہا یہ میں نے اُن سے / ہے ظلم بھی تو جی چکا میں
کہنے لگے سن کے سچ ہے غافل
پر شغل کروں بتاؤ کیا میں

ایضاً

قتل انساں کے سوا اور سر و کار نہیں / اپنے نزدیک تو وہ اب بھی ستمگار نہیں
خواہشِ وصل پہ بے فائدہ اقرار نہیں / مجھ کو آسان نہیں آپ کو دشوار نہیں
آبرو جائے گی رونے کی ہمارے اے چشم / آج گریے سے گرے گر در و دیوار نہیں
کیوں اُلجھتا ہے شبِ ہجر مرے سینے میں / کچھ دلِ تیرہ دروں کاکلِ خمدار نہیں
بزمِ محشر بھی خموشی نے ہماری کھویا / جانتے ہیں کہ اسے طاقتِ گفتار نہیں
موت سے بھی کہیں محروم نہ رکھنا اے چرخ / ہم تو دنیا میں کسی شے کے طلبگار نہیں
مرضِ عشق کے صدموں کا اُٹھانا مشکل / ہمنشیں جان کا کھو بیٹھنا دشوار نہیں
وقتِ موعود پہ آجائے اجل بھی لیکن / آپ یاں آئیں یقیں یہ مجھے زنہار نہیں
جوشِ وحشت میں کہاں اُلجھے گا دامن میرا / چن لیے پانو نے صحرا میں کوئی خار نہیں

وہ ہوئے دشمنِ دل غیر ہوا دشمنِ جان
اور ابھی تذکرۂ چرخِ ستمگار نہیں

شاد ہوں قتل سے اپنے مگر اتنا غم ہے
مرگ کے بعد بسر ترا دیدار نہیں

جانے انصاف ہے کس کس کو جلائے اک آہ
سیکڑوں دشمنِ جاں ہیں مرے دو چار نہیں

اس طرح پوچھنے آئے ہیں وہ مجھ سے گویا
کہ مرے حال سے اب تک بھی خبردار نہیں

پاس تو ہوتی ہے لیکن ہے کچھ انداز کے ساتھ
خواہشِ وصل پہ پھر کیجیے ؛ تکرار نہیں

درِ میخانہ پہ عاقلؔ کو پکارا ہم نے
آئی آواز کہ یاں تو کوئی ہشیار نہیں

ہوا ہے ناتوانی سے مرا یہ حال ہجراں میں
کہ خود آتا نہیں ہوں اپنی میں فکرِ پریشاں میں

کچھ ایسی سوزشیں پیدا ہوئی ہیں عشقِ پنہاں میں
کہ نم کا نام تک باقی نہیں ہے چشمِ گریاں میں

بھلا ہیں اور اُس کے گھر میں ڈرتا ناچلا جاؤں
مقرر آج کچھ رنجش ہوئی ہے غیر و درباں میں

مناسب تھا تمہیں کو رحم کرنا حالِ دل سن کر
اثر دیکھا نہ تھا کچھ بھی جو میری آہِ سوزاں میں

کبھی تو نامہ بر کے لب پہ اتنی بات آجاتے
کہ لو وہ آج آتے ہیں نہ ہو بیتابِ ہجراں میں

سنوں کیا تیری اے ناصح محبت وہ بری شے ہے
کہ جس سے فرق کچھ رہتا نہیں ہے کفر و ایماں میں

عدو کو لطفِ ہمزبانی مجھے سوزِ غمِ الفت ؛
نہیں تکلیفِ سرما ایک کو فصلِ زمستاں میں

نقاہت سلسلہ ہے پاؤں میں غم طوقِ گردن ہے
الٰہی اور کیا ہووےگا بڑھ کر اس سے زنداں میں

ترے وحشی کے گریے نے بنایا دشت کو دریا
اڑا ہوگا بھلا اب خاک کیا کوئی بیاباں میں

عدو کو بام پر لے کر کہیں بے مہر آیا ہے ؛
کہ میرا حال ابتر ہے شبِ مہتابِ ہجراں میں

نقاہت کا تو کیا غم عشق میں لیکن الم یہ ہے
نہیں جانے کا نالہ بھی مرا اب کوئے جاناں میں

کہیں داغِ جگر کے سیر ہیں راتیں بسر کرنی
انہیں اغیار کے ہمراہ دن کھونے گلستاں میں

دیا اُس غیرتِ بلقیس کو دل تم نے غافل
حکومت اپنی دکھاتا ہی جو ذکرِ سلیماں میں

خاک گڑوں میں کوئے جاناں میں
ایک طوفاں ہی چشمِ گریاں میں

روک لے ناقے کو ذرا لیلیٰ
قیس بھی ہی اسی بیاباں میں

آچکیں وہ کہ لو حنیف رہی سپر
جان دیتی ہی شکرِ یزداں میں

ہار واسطے نالہ ہائے بزم ساز
وہ ہیں وصلِ عدو کے ساماں میں

اُس نے دیکھا مجھے اُٹھا کے نظر
دب گیا ہیں تو بارِ احساں میں

کہتے ہو ہم سے دل لیا ہی نہیں
مونھ تو ڈالو ذرا گریباں میں

بزم کی برہمی ہوئی سمجھو
کچھ اشارے ہیں چشمِ فتاں میں

ہم گرفتارِ غم ہیں اے واعظ
تم رہو فکرِ حور و غلماں میں

کیوں سوالِ وصال پہ ہو خموش
کیا بگڑتا ہی تیرا اک ہاں میں

ق

ہمنشیں باعثِ الم کو تو پوچھ
چین اک دم نہیں ہی ہجراں میں

یاد آتا ہی آج لطفِ وصال
رو رہا ہوں جو ابرِ باراں میں

ہائے اُس کا یہ ناز سے کہنا
لے چلو تم ہمیں گلستاں میں

تم خدا جانے کیوں نہیں ملتے
عیب کیا ہی رضا علی خاں میں

ردیف الواو

لگی کیوں دیر یارب نامہ بر کو / مجھے جانا پڑا اس کی خبر کو
کوئی ڈسے ترے کوئی بلا سے / مگر طوفاں بہانا چشم تر کو
شب وصل عدو کے کیوں سنے حال / گیا کیوں اُس کے کوچے میں سحر کو
مریض عشق کی کرتا نہ تدبیر / کوئی جا کر یہ کہدے چارہ گر کو
اگر اب بھی نہ آئے وہ تو ہمدم / یقیں ہے پھوڑ کر مر جاؤں سر کو
نہ آیا نالۂ آتش فشاں ہیں / رہا جلنے کا اندیشہ اثر کو
جنوں میں کس سے ہم باتیں کریں گے / گرا دے گریہ مت دیوار و در کو
کوئی ایسا بھی دن دکھلا دے یارب / کہ آجاویں وہ بھولے سے ادھر کو
ترے رخ کا وہ نظارہ کرے جو / جلا دے مہر پر پہلے نظر کو

وہ یاد آتا ہے ہر دم مجکو عاقل
یہ اُس کا ناز سے کہنا کہ سر کو

تیری فرقت نے کیا اتنا ہراساں ہم کو / کہ گلستاں نظر آتا ہے بیاباں ہم کو
کچھ نہیں یاد کہ پہلے بھی کبھی تھے ہم خوش / ہاں مگر روز ہی غم اب تو فراواں ہم کو
دل لگا کر ہوئے خود ہم تو پریشاں ناصح / تونے کہہ کہہ کے کیا اور پریشاں ہم کو
آن کر لیگی اجل جان ہماری کیا خاک / نظر آتا ہے بس اب شانتی بیجاں ہم کو
اک نظر دیکھ لیں اُس کو تو ہوں اچھے ورنہ / چارہ گر سو نہ دیگا کوئی درماں ہم کو

دہر میں نوح کا طوفاں ہو دوبارہ شاید — ورنہ کیوں حق نے دیا دیدۂ گریاں ہم کو

حق تعالیٰ کی نظر آتی ہی قدرت عاقل
بوالہوس کہتا ہی جب عشق میں ناداں ہم کو

ایک سی گردش ہی یارب کیا سپہر پیر کو — ایک سا ہم دیکھتے ہیں غیر کی تقدیر کو
جذب دے یارب وہ میرے نالۂ شبگیر کو — ڈھونڈتا دشمن پھرے میری طرح تاثیر کو
گوشِ دل سے سنتے ہو اغیار کی تقریر کو — دیکھتے ہو چشمِ قہر آگیں سے مجھ دلگیر کو
وعدہ ہی وعدے میں اپنا وعدہ پورا ہوگیا — آپ ہی کہیے کہ کیا کہتے ہیں اس تاخیر کو
رشک آتا ہی کہ میری کیوں نہ یہ قسمت ہوئی — دیکھتا ہوں جب تری فتراک میں نخچیر کو
جرم رشکِ غیر آخر آج ثابت کر چکے — قتل جلدی کیجیے مجھ لائقِ تعزیر کو
کھولنا ہی عقدۂ وصلِ بتانِ کینہ کیش — سخت مشکل آ بنی ہی ناخنِ تدبیر کو
شہرۂ الفت کا اب جاتا رہا ناموس و ننگ — پوچھتا ہی ہمنشیں بھی رنگ کی تغییر کو
یہ بھی اک اعجاز کہنا چاہیئے اس زلف کا — پانوں میں عالم کے ڈالا ایک ہی زنجیر کو
جب کیا میں نے ستم ہائے نمایاں کا گلہ — بولے اس کا اجر ہوگا روزِ دار و گیر کو
عاملوں کی خوب بن آئی کہ اُن کو آج کل — ہی عمل مطلوب کوئی غیر کی تسخیر کو
جلد ہو جاوے کہیں وہ جلوہ آرا بام پر — پھر تو ہم بھی دیکھ لیں گے مہرِ پر تنویر کو
اک توجہ تو ہی اُس ناوک فگن کو اس طرف — چشم و سر پر چاہیے لینا اب اُس کے تیر کو
غیر کب آگاہ ہی راز و نیازِ عشق سے — آپ ہی ارشاد کر دیجیے میری تقصیر کو
نردبانِ عشقِ حق ہی عشقِ خوباں زاہدا — تم بھی بس اب پھینکا دو اس خرقۂ تزویر کو
ناصحِ بیہودہ گو سے آج پھر تکرار ہی — ہائے لے آئے کوئی اُس شوخ کی تصویر کو

آسمانِ فتنہ گر کی چال جو کچھ ہے سو ہے
بیستوں سے کہا اے لا کر جوئے شیر کو

گر کبھی کہتا ہوں ہوگا وصل بھی مجھ کو نصیب
کہتے ہیں پوچھو بلا کر کاتبِ تقدیر کو

حضرتِ عاقل کہاں تک جستجوئے وصل کی
منحصر رکھیں بس اب قسمت پہ تدبیر کو

تو ہر شب اگر میرا شور و فغاں ہو
ترا ہر روز ہمسایہ سے نالاں ہو

ادھر جنت ادھر کوئے بتاں ہے
مری خواہش کا کچھ تو امتحاں ہو

فغانِ قیس ہی کانوں میں لیلیٰ
حدی سے کس طرح ناقہ رواں ہو

بیانِ رشکِ دشمن سن کے بولے
ہوا معلوم تم بھی بدگماں ہو

بجائے بوسہ نقدِ جاں نہ کیجے
وہ قیمت کیجیے جو تم پہ گراں ہو

انہیں اپنے خرامِ ناز سے کام
اگر ہو دہر میں محشر عیاں ہو

بیانِ جورِ واعظ ہو چکا بس
مناسب ہے کہ اب ذکرِ بتاں ہو

تمہیں اس وقت ہم نازک کہیں گے
عدو کی بات بھی تم پہ گراں ہو

مجھے رسوا کیا سارے جہاں میں
عدو کیونکر نہ ان کا رازداں ہو

نہیں درکار یاں اے خضر تم کو
مبارک مرگِ عمرِ جاوداں ہو

وہ جب چاہیں عدو سے جاکے مل لیں
مری محنت ہی کیا جو رائیگاں ہو

مرا مدفن بنا اپنی گلی میں
کہ تیرا نام ہو میرا نشاں ہو

رہو مہماں سرائے دہر میں اور
عجب ہے پھر نہ میرے مہماں ہو

الگ پوچھو تو حالِ دل کہوں سب
عدو کے سامنے کیونکر بیاں ہو

بٹھا رکھتے ہو گھر میں غیر کو تم
کہ دروازہ پہ غیرت پاسباں ہو

نہیں باور محبت میری اے کاش
گماں میرا تمہارا سا گماں ہو

نہ پوچھو کوئی اُس کے ظلم عاقل
میری فریاد کا شاکی جہاں ہو

ردیف الھا

رشک کا صدمہ مبارک ہو کہ پھر یار کے ساتھ
یوں ہیں اغیار کہ بس جان ہو جاندار کے ساتھ

شکوۂ جور و جفا مجھ سے وہ سن کر بولے
ناز کرتے ہیں سبھی اپنے خریدار کے ساتھ

تاب و طاقت نہ رہی صبر گیا ہوش گیا
کوئی ہمدم نہ رہا اس دلِ بیمار کے ساتھ

خجالتِ بے اثری چرخ سے کھینچی افسوس
جل گیا آپ نہ کیوں آہِ شرربار کے ساتھ

کیا نہ تھے اور زمانہ میں خدایا دلبر
آہ دل میں نے لگایا ہی کس عیّار کے ساتھ

کیا کہوں کس سے کہوں کیونکر کہوں خاک کہوں
رات دیکھا ہی اُسے خواب میں اغیار کے ساتھ

ناصحا قصۂ دنیا ہی سے چھوٹ جائیں گے ہم
جان جاتی ہی اگر عشق کے آزار کے ساتھ

موت آنے کا نہیں ڈر کہ ستمگر تو نے
قتل پہلے بھی کیا ابروے خمدار کے ساتھ

لوگ کہتے ہیں کہ دیوانہ ہوا ہی عاقل
باتیں کرتا ہی جو تنہا در و دیوار کے ساتھ

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔✻✻✻۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ردیف الیا

محبت او دلِ ناداں کہاں کی
جہاں دلبستگی ہو اک جہاں کی

اجازت دو اگر مجھ کو فغاں کی
حقیقت کھولدوں میں آسماں کی

مجھے کیوں گریہ کا مانع ہو ظالم
دبے گی خاک تیرے آستاں کی

ہمارا ناقہ جب تب قیس نے لی
حدی خوانی چلی کیا ساربان کی

تھم اس گردش سے اے چرخ کہن تھم
دکھا ہمت نہ پیری میں جواں کی

سنا قصہ نہ میرا کچھ شب وصل
بیاں اُس نے عدو کی داستاں کی

دہن سے اُس کے پوری بات کیا ہو
لگی ہو بد دعا مجھ نیم جاں کی

نگاہِ مست ساقی دیکھ لوں گر
تو پھر پروا نہیں پیرِ مغاں کی

مرا احوال غم سن کر یہ بولے
کہ اچھی طرز ہے تیرے بیاں کی

سبب بحرانِ وحشت سے اُلجھنا
بجا ہے پند گو داڑھی کہاں کی

میں عاشق ہوں ترے در پر پڑا ہوں
مجھے خواہش نہیں نام و نشاں کی

جوانی میں یہ اضمحلال عاقل
گزند رستم تاب و تواں کی

یہ کیوں کہوں کہ تم کو محبت نہیں رہی
پہلی سی ہائے میری ہی قسمت نہیں رہی

نگاہیں کا عذر کیا ہو جو گھر غیر کے گئے
آ چکیے اب تو کوئی بھی حجت نہیں رہی

ہر لحظہ درد تازہ ہی ہر لحظہ رنج نو
شاید ہمارے حصہ میں صحت نہیں رہی

ہیں نے مٹا دیے کہیں افسانہائے قیس / مجھکو جنونِ عشق ہی وحشت نہیں رہی
تاثیرِ چشمِ مست ہی ساقی اگر بہی / ساغر تو کیا سبو کی ضرورت نہیں رہی
تجھکو بھی ہو گیا کہیں اُس حور وش کا عشق / زاہد یہ کیا ہوا وہ عبادت نہیں رہی
کہتے ہیں یوں طبیب سے وہ مجھکو کرکے قتل / لے تجھ پہ اس کے خون کی تہمت نہیں رہی
خوش ہوں شبِ وصال جو وہ کوئی رنج دیں / عادی خوشی کی بس کہ طبیعت نہیں رہی
لایا تو جاذبِ شوق اُسے بام پہ مگر / مجبور ہوں کہ دید کی طاقت نہیں رہی
کس روز آکے وہ مرے در تک نہ پھر گئے / برگشتہ مجھ سے کب مری قسمت نہیں رہی
دنیا میں نیک نام وفا نے کیا مجھے / اُن سے جفا کی کوئی شکایت نہیں رہی
آیا خیالِ یار میں ہمراہ یار یہاں / اے غیر تجھ میں نام کو غیرت نہیں رہی

عاقل وہ جس کے گھر ہوں وہ عشرت کدے
یوں تو کہیں زمانہ میں فرحت نہیں رہی

جو یوں ہی فکر رہی وصلتِ بتاں کے لیے / کبھی نہ چین ملے گا ہماری جاں کے لیے
متاعِ تاب و تواں صبر و ہوش سب کھوئی / دیا تھا آپ کو دل ہم نے کیا زیاں کے لیے
فلک نے موردِ آشوب کر رکھا ہے ہمیں / ہمارے واسطے ہیں سب آفتیں جہاں کے لیے
غمِ جدائی و رشکِ عدو و شوقِ وصال / ہزار قصے لگے ہیں ہماری جاں کے لیے
پھرا ہوں کوچۂ جاناں کو یوں میں گھبراتا / کہ لوگ کہتے ہیں جلدی ہے یہ کہاں کے لیے
ادا سپاس نہ ہو گر بنے زباں ہر مو / بنایا تو نے خدایا سب اس جہاں کے لیے

یہاں تو خاک بہت سی اڑا چکے عاقل
یہ چاہیے کہ کریں فکر اب وہاں کے لیے

کیا کروں کس سے کروں آہ بیانِ دہلی
جان بن کر گئے جو لوگ تھے جانِ دہلی
جن کا مذکور سننے سے بھی غش آجاتا تھا
کیا ہوئے ہائے خدایا وہ بتانِ دہلی
دیکھیں گے ارم و خلد کو بھی آخر ہم
شہر تو کوئی نہیں دیکھا بسانِ دہلی
باعثِ شان تھے جو لوگ سو وہ بھی نہ رہے
اب رہی کیا ہے جو دیکھے کوئی شانِ دہلی

حضرتِ دہلی کے باشندے ہیں جتنے عاقل
گلشنِ خلد پہ رکھتے ہیں گمانِ دہلی

عدو کو آزما جور و جفا سے
نکلے اے فتنہ گر ہم تو وفا سے
وہ زلفِ پرشکن زنداں ہے دل کو
رہائی کیونکہ ہو دامِ بلا سے
عیادت کو نہ ہو جائیں وہ جب تک
نہیں اے چارہ گر مطلب شفا سے
نہ مانا ئے چلا پھر اُس گلی میں
دیے دل کو بہت میں نے دلاسے
نہ کعبے سے غرض نہ دیر سے کام
فقط مطلب ہے کوئے دلربا سے
برا ہو اے دلِ بیتاب تیرا
کہ الفت اور ایسے بے وفا سے
وہ غمزہ ہوش کھوتا ہے قدر کا
وہ عشوہ کام لیتا ہے قضا سے
مگر کوچہ میں اُس قاتل کے گزرے
کہ بوئے خون آتی ہے صبا سے

محمد سا ہو عاقل جب کہ حامی
ڈرے پھر کس لیے روزِ جزا سے

دائم ہوں میں [illegible] دلِ نا نگار سے
کچھ کام ہے خزاں سے نہ مطلب بہار سے

وہ چشمۂ حیات کو اسے خضر کیا کرے — جو ہاتھ دھووے زندگی مستعار سے
دستِ عدو ہی شانہ کشِ زلفِ یار واں — یاں میرے دل میں چبھنے لگے خار خار سے
اہلِ جہاں کو شک سا ہوا نفخِ صور کا — نکلے صدائے نامہ جو میرے مزار سے
اب چاہیے رقیب ہی سے وعدہ کیجیے — ہم تنگ آئے روز کے اس انتظار سے
اغیار سے وہ ملتے ہیں اے دل تو کیا کروں — تقدیر سے لڑوں کہ لڑوں روزگار سے
اللہ ہی چھڑائے تو اس زلف سے چھٹے — جاتا رہا ہے دل تو مرے اختیار سے
جس قطرۂ سرشک میں اے چشم ہو اثر — قیمت گراں ہے اُس کی دُرِ شاہوار سے

یہہ رنگِ حسن بس ادھر آیا اُدھر گیا
عاقل وہ خوش ہیں دولتِ ناپائدار سے

خسرو سے کچھ غرض مجھے مطلب نہ جم سے ہے — اپنا تو عیشِ پیرِ مغاں تیرے دم سے ہے
طوفان کا ظہور مری چشمِ نم سے ہے — فتنہ لگا ہوا ترے ہر اک قدم سے ہے
فرصت نہ آہ سے ہے نہ گریہ سے الفراغ — گویا سرشت ہی مری رنج و الم سے ہے
تم کو غرورِ حسن پہ اپنی تو ہے مگر — یہ جان لو کہ دھوم ہمارے ہی دم سے ہے
دل میں ہے لے چلوں تجھے ناصح اُسے دکھاؤں — ملنا گروہِ کافرِ بدکیش کم سے ہے
از بس کہ دردِ ہجر سے خوگر ہوا ہوں میں — لذت وہ اب کہاں مجھے وصلِ صنم سے ہے
اظہارِ شکوہ کیجیے کس سے کہ جب اُنھیں — افغانِ چرخ رس کا گلہ آپ ہم سے ہے
نالہ شبِ وصال میں ہی کیا ضرور تھا — مرغِ سحر بھی ایک ہی اہلِ ستم سے ہے

کیا آرزو ہے وصلِ بتاں کے سوا مجھے
عاقل سب اپنے پاس خدا کے کرم سے ہے

بس اس قدر بنائے جہان خراب ہی
ایک وہم ہی خیال ہی گویا کہ خواب ہی

تا صبح یہ ستارہ شماری عذاب ہی
ہر شب فراق کی ہمیں روزِ حساب ہی

ہوش و حواس و صبر و خرد سب گئے مگر
ایک جان ہی سوزندۂ غم و اضطراب ہی

اُس سے نگاہ لطف کی رکھتا ہوں میں امید
جس کو غضب سے دیکھنے میں اجتناب ہی

کہتے ہیں کم سخن مجھے کہتا ہی اک جہاں
میرے سوالِ وصل کا گویا جواب ہی

میں محو ہو گیا ہوں خیالِ جمال سے
بے صرفہ اب تو رخ پہ تمہارے نقاب ہی

وہ ہم سخن ہو نشے میں مجھ سے تو دیکھ لوں
کیسی عدو کو عشرتِ بزمِ شراب ہی

کیا صدمہ میرے دل پہ ہی انکار وصل سے
سچ ہی کہ دل شکن سخنِ ناصواب ہی

حیران ہوں کیونکہ کنجِ لحد میں سماؤں گا
ہمراہ میرے فوجِ غم بے حساب ہی

کیونکر مثال دیجے تجھے ماہتاب سے
کالشمس فی النہار ترے رخ کی تاب ہی

کرتے ہیں بعدِ قتل مجھے دفن خوف سے
ظاہر میں کہتے ہیں کہ یہ کارِ ثواب ہی

گر اشتیاقِ وصل ہی کیا رنج و دردِ ہجر
بیتاب ہر طرح دلِ خانہ خراب ہی

اچھا اب آپ پردہ نشیں ہی بنے رہیں
ہم کو بھی دیکھنا ہی کہ کب تک حجاب ہی

میں اور ہجر نالہ و فریاد رات بھر
وہ اور عیش و نغمہ و چنگ و رباب ہی

دیوانہ پن میں بھی ہی طلبگار وصل کا
کیا ہوشیار عاقلِ خانہ خراب ہی

غم بھلاتا ہوں زندگی بھر کے
زندگی کر رہا ہوں مر مر کے

کیا کہوں ظلم چرخِ اخضر کے
جور اُٹھائے ہیں اُس ستمگر کے

ایک شب وصل کیا ہوئی کہ خدا
ہو چکے عیش زندگی بھر کے

واے قسمت کہ دو قدم چل کر
رہ گئے پانوں میرے رہبر کے

کیا سنوں ذکرِ خلد اے واعظ
ہوں تصور میں کوے دلبر کے

میں نے پوچھا عدو سے شب تھے ملے
ہنس کے بولے کہ آپ سے ڈر کے

گر یہی آہ ہے تو دم بھر میں
ٹکڑے ٹکڑے ہیں چرخِ اخضر کے

جستجوے جوابِ نامہ میں
ہاتھ آئے تو پر کبوتر کے

حضرتِ خضر ہم کو راہ بتائیں
راہبر تھے یہی سکندر کے

دیکھیے آج کیا اُٹھے طوفان
ڈوبے ڈوبے ہیں دیدۂ تر کے

پائمال خرامِ جاناں ہیں
منتظر بیٹھے ہیں یہ محشر کے

وہ بھی شاید ملے رقیبوں کو
عیش ہیں جو مرے مقدر کے

قصہ اپنا تمام ہے عاقل
طور ایسے ہیں جانِ مضطر کے

کچھ اپنی سوزشِ دل کا بیاں ہے
بسانِ شعلۂ آتش زباں ہے

غلط گوئی کا تم کو کیوں گماں ہے
مری حالت تو صورت سے عیاں ہے

اُٹھاتے ہو مجھے در سے مگر آج
یہ سر ہے اور سنگِ آستاں ہے

ستم کش ہے عدو یہ میں نے مانا
مگر مجھ سا ہی وہ بھی ناتواں ہے

ہمیشہ نام ہی سنتے ہیں اے خضر
تمہارا بھی کہیں حضرت نشاں ہے

دلِ پُر درد ہے قابو سے باہر
عدو کے گھر وہ شاید میہماں ہے

یہ پہنچا اب تو حالِ جانِ مضطر
کہ بارِ غم سے بھی بڑھ کر گراں ہے

یہ ہے خود رفتگیِ شوقِ دیدار
عدو سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

معتبر یہ جہاں آباد ہو گا
اگر ایسا ہی رنگِ آسماں ہے

زمانہ جان کا میری ہے دشمن
تری صورت پہ مائل اک جہاں ہے

قفس میں بھی کوئی پوچھے تو کہدوں
مجھے سب یاد لطفِ گلستاں ہے

تری الفت میں میری دشمنی کو
زمیں پر ذرّہ ذرّہ آسماں ہے

کہا جب کہہ چکا میں حالِ فرقت
کہو کچھ اور بھی باقی بیاں ہے

یہ فیضِ حضرتِ سالک ہے عاقل
زمینِ شعر گویا آسماں ہے

آج کل یاں بھی جذبِ کامل ہے
اُن سے پوچھو تو اب کدھر دل ہے

کس کو منظورِ سیرِ بسمل ہے
کہ مجھے جستجوئے قاتل ہے

قیس نے انتہا میں جو پایا
ہاں وہ سب ابتدا میں حاصل ہے

کون مانع ہے تم عدو سے ملو
میری تقدیر میرے شامل ہے

اُس سے کب دور ہوں مگر جتنک
کہ یہ پردہ دوئی کا حائل ہے

اب یہ حالت ہے ناتوانی سے
ہر قدم مجھ کو ایک منزل ہے

ناصحا اب نہ پند کر مجھکو
یہ سمجھ لے کہ عقل زائل ہے

کب سے ہوں آشنائے بحرِ عشق
ہائے نزدیک وہ ہی ساحل ہے

فیض پیرِ مغاں تو دیکھ اے شیخ
جو گیا میکدے میں شاغل ہے

تیرا ثانی نہیں کوئی انسان
آئینہ کیا ہے جو مقابل ہے

ہو چکا لافِ ترکِ عشقِ صنم
پھر وہی ہم ہیں اور وہی دل ہے

خانۂ دل میں ہے وہ پردہ نشیں
اب نہیں بیچ پردہ حائل ہے

مژدۂ قتل سے ہوں یہ بیخود — پوچھتا ہوں کہ کون قاتل ہی
وشت میں کیوں خراب ہی لئے قیس — دیکھ تو سامنے وہ محمل ہی
اُس نے کیا کیا ستم سہے ظاہر — اور طبیعت اُسی پہ مائل ہی

قطعہ

شوق کہتا ہی چل اُسی در پر — ضعف کہتا ہی سخت مشکل ہی
اس کشاکش سے جان ہی لب پر — سو مصائب ہیں اور ایک دل ہی

اے جنوں ایسی شکل ہو جائے
وہ نہ جانیں کہ یہ ہی عاقل ہی

اشعار متفرق

وہ تو غیروں سے ملیں اور جلیں ہم ہیہات
ہو وے لے طالعِ وارثوں ترا اقبال بلند

فرد

دیکھنا شوقِ شہادت کل وہ میرے قتل کا
ذکر واں کرتا تھا میں یاں ہچکیاں لینے لگا

فرد

یاد کرنا شبِ فرقت میں تمہارا مجھ کو
ایک قصہ ہے محلے کو سنانے کے لیے

فرد

قتل کرتا ہے اک نگاہ میں وہ
اور ابھی دیکھنا نہیں آتا

رباعیات

ہے عشق سے یہ یقین مجھ کو ہر آن
ہرگز نہ بچوں گا گرچہ سو ہوں درمان
وہ بت اگر آوے تو ہوں اچھا ورنہ
غالب کو نہیں کرچکی پہلے ہی جان

فولاد کا کشتہ جو ہے مثلِ اکسیر
اکسیر کی سی جس کی سنی ہے تاثیر
تاثیر ہو معلوم جو کیجے ارسال
ارسال اگر کیجے تو ممنوں ہو فقیر

آغازِ قصائد

قصیدہ در مدحت نواب فریدوں جاہ فلک بارگاہ سکندر شوکت دارا حشمت کیوان ایوان آسمان آستان نواب محمد کلب علی خان بہادر

دام اللہ تعالیٰ اقبالہم

مدد طلب نہ کروں تجھ سے کیونکہ طبعِ سلیم
کہ دل میں رکھتا ہوں میں اپنے ایک عزمِ عظیم

وہ عزم جس سے کہ ہو رتبۂ سخن عالی
وہ عزم جس سے کہ اہلِ جہاں کریں تعظیم

وہ عزم جس سے کہ عرفی کو ہو گئی شہرت
وہ عزم جس سے جواہر میں تل گیا ہے کلیم

وہ عزم جس سے ظہوری ظہور بن جاؤں
وہ عزم جس سے نظیری کو میں کروں تعلیم

یہ عزم وہ ہے کہ عازم سے گر ادا ہو جائے
تو اک جہان کرے اس کی بات کو تسلیم

دہن سے آنے لگے بو گلاب خالص کی
مشام میں ہو نہاں جنت و ارم کی شمیم

گر زباں میں آ جائے گوہر افشانی
گریباں میں آ جائے جوہرِ تصمیم

نکل کے بات جو منہ سے ہوا میں مل جائے
تو روح پرورِ آشفتہ خاطراں ہو نسیم

وہ کیا ہے جس سے کہ انسان کو یہ حاصل ہو
وہ کیا ہے جس سے ملے یہ بزرگی و تفخیم

ثنائے کلب علی خاں بہادرِ بے مثل
کہ بادشاہ کہیں جس کو شاہِ ہفت اقلیم

زباں کھلی ہے مری اس کی مدح خوانی میں
نہ کیونکہ میرے بیاں میں ہو جوہرِ تصمیم

کہیں زمانے میں اس کا نہیں عدیل و نظیر
کہیں جہان میں ایسا نہیں رئیسِ فخیم

خراب اس کے ہیں حسادا اور جہاں سیراب
غضب ہیں اُس کے ہی تخصیص لطف ہیں تعمیم

خدا نے ملک کو اس کی یہ دی ہیں دو صفتیں
کہ دوستوں کو بہشت اور دشمنوں کو جحیم

سموم قہر فلک سے نہوں جہاں سرسبز
نسیم لطف کا اُس کے نہ ہو جو فیض نسیم

غضب ہی اُس کا نہایت اگرچہ ڈر کیا ہی
کہ اُس کا لطف جہت ہی عطائے رب کریم

پڑھوں وہ مطلع روشن کہ قطعے کی مانند
رہے نہ مطلع خورشید کی ذرا تکریم

مطلع

نہ پایا ایسا کسی نے حاکم حلیم و سلیم
ہمیشہ چرخ میں یوں ہی رہا ہی چرخ قدیم

کیا ہی خلق میں اُس نے یہ انتظام جاری
کہ نام کو کوئی باقی نہیں رہا ہی اثیم

ہوا ہی بس کہ ہر ایک منتظم عجب کیا ہی
کہ غصہ کھانے میں ہو جائے طبع شیر حلیم

ہی موہبائے الطاف عام سے اُس کے
شکستگی خواطر کے واسطے ترمیم

کرم سے اُس کے جہاں میں نہیں کوئی محروم
زہے سخاوت زہے بخشش و زہے تقسیم

نہ پائے ایسا زمانہ میں کوئی خوش اختر
ہزار بار اگر دیکھے برہمن تقویم

گداگا نام بھی کانوں تک اب نہیں آتا
ہر ایک گھر میں لگایا ہی اُس نے باغ نعیم

بیان اُس کی شجاعت کا کیونکہ لکھا جائے
زبان خامہ میں جرأت کہاں جو ہو ترقیم

نہ کر سکے کوئی زنہار سامنا اُس کا
کہ مثل آہوئے رم خوردہ بھاگتا ہی غنیم

گریں نہ سنگ حوادث زمانے میں اُس کے
کہ تا نہ شیشۂ دل ہو غریب کا بھی دو نیم

فلک کو فیل سے اُس کی ہو کیا بھلا نسبت
وہ تا ہی پانو یہ اُس کے دھرے سر تسلیم

چلے تو تیز چلے باد تند کے مانند
تجھے تو سب کو نظر آئی مثل کوہ جسیم

یہ کیا خیال ہوا ہی یہ گفتگو کیا ہی
کہ ہم سمجھتے تھے عاقل تجھے عقیل و فہیم

ترا بیان کہاں اور کہاں ثنا اُس کی
تری زبان کہاں اور کہاں یہ مدحِ عظیم

دعا پہ چاہیے کرنا تجھے تو ختمِ سخن
اگر خدا نے عطا کی ہو تجھ کو طبعِ سلیم

رہے جہان میں جب تک کہ نام صحبت کا
رہے جہان میں جبتک مرض برائے سقیم

الٰہی اُس کے ہوا خواہ عافیت میں رہیں
رہیں مرض میں گرفتار حاسدانِ لئیم ؂

بال افشانی عندلیب خامہ بثنا خسار مدحت طرازی قبلہ و کعبہ دو جہان اوستاد زمان اوستادنا و مرشدنا یعنی نواب مرزا قربان علی بیگ صاحب المتخلص بہ سالک ادام اللہ تعالی برکاتہم

اگرچہ حق نے جہاں کو کیا ہے بنیاد
ولیکن اس میں بنائے ہیں کیسے آدم زاد

کسی کو رتبہ کرم سے ملا سلیماں کا
کوئی غرور و تکبر سے ہو گیا شداد

کوئی ہے جود و سخا سے جہاں میں نام آور
کسی کو جی سے ہے مطبوع شیوۂ بیداد

کوئی ہے عاشقِ صادق کوئی ہے بادہ پرست
کوئی ہے ذاکر و شاغل کوئی بنا آزاد

کوئی معاش کی تدبیر میں ہے روز و شب
کسی کی مد نظر ہے ہمیشہ فکرِ معاد

کوئی ہے ہندسہ دانی میں رشکِ اقلیدس
کوئی ہوا ہے رمل اور نجوم میں اوستاد

کوئی ہے مطربِ نغمہ سرائے خوش الحان
مصوری میں کوئی مثلِ مانی و بہزاد

کوئی بنا ہے مدرس بقدرِ طاقتِ درس
کوئی ہوا ہے مدرس بنائے استعداد

کوئی ہوا ہے عقیل و فہیم حکمت سے
کوئی بنا ہے موجدِ کمال کرامت زاد

کسی کی شعر و سخن سے ہوا ایک عالم محو
کسی کے سحر و فسوں سے ہوا ایک جہاں برباد

کسی کو حق نے کیا شاہِ معدلت گستر
کسی کو حق نے بنایا فقیر [illegible] شاد

کسی کو علم میں یکتا کیا ہے [illegible]
[illegible]

مثال ہے کوئی [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]

زمن میں وہی وہ زباں اور زباں ہے وہ [illegible]
[illegible]

وہ یعنی حضرت سالک کہ جس کی ذات سے ہے
بہار [illegible] دولت جہاں آباد

خدا نے اس کو عطا کر دیے ہیں سارے علوم
خدا کے فضل سے ہر ایک فن ہے اس کو یاد

وہ ایک مطلعِ روشن زباں پہ آتا ہے
کہ جس کے آگے نظر آتے [illegible]

مطلع

وہ اپنے بندۂ کمتر کو گر کرے ارشاد
تو لاکھ اس سے ہوں فنِ مثلِ شاعری ایجاد

کیا خدا نے اسے بادشاہِ ملکِ سخن
زمینِ شعر ہے تا حشر تک سے آباد

نہیں ہیں صائب و عرفی کہ آئیں سر کے بل
گر صدا ہے [illegible] استاد

قطعہ

فقط فصیح نہ سمجھ اس کو کہتے ہیں افصح
بیان خوبیٔ فصاحت بھی کرتے ہیں استاد

سخن زباں سے اس کی کہیں سنا تھا مگر
پڑے ہیں آج تک محو و رہ کیوں نہ جماد

یہ کہہ کے شکر کو دوں میں ظہوری پہ ترجیح
کہ اس کی نظم نظامی کی نظم سے ہے زیاد

حلیم کہتے ہیں اس کو عرب سے تا [illegible]
خلیق کہتے ہیں اس کو عجم سے تا بغداد

سنا ہے اور بہت دیکھے ہیں حلیم و خلیق
مگر نہ کہ حسودوں سے ہے نہ مجبور سے عناد

قطعہ

شجاع ایسا کہ روز وغا اگر رستم / مارو کو لے کے حوالے اپنے سپہ صد و ہشتاد

مقابل آوے تو مانند ذرہ ناچیز / رہی جہاں میں کسی کی نہ ان میں سے بنیاد

تہی زمانے میں ایسا کسی کو علم و کمال / نہیں جہان میں ایسی کسی کو استعداد

یقین کرتا ہوں بیشک یہ سب کو ہے معلوم / نہیں کلام پہ میرے ضرور استشہاد

اگرچہ شرق سے تا غرب ہوئے صفحے وسیع / تمام علم کا اس کے نہ لکھ سکوں تعداد

تمام عالم و زر اہل دل تشبیہ ہیں / اگرچہ لکھیں ہزار اس کا صفحے اوراد

بشارت اس کی بیاں مجھ سے کیونکہ ہو وہ قال / کہیں کو کہتی ہے مخلوق کل ستودہ نژاد

ہوئی تو مدح سرائی سخن کو ختم کیا / وہ لحیہ پہ آئے وہ جس سے ہو بہ شاد

یہیں نشاط کو ہیں اس کے حشر تک احباب / رہیں ہمیشہ اسیر غم و محن حساد

عزیز اس کا ہو جنت میں ہمرہ حسنین
رقیب اس کا دوزخ میں ہمرہ ابن زیاد

قطعات

میں نے پوچھا کل یہ اُن سے کیا خطا کیا جرم ہے
پائی جاتی ہے رکاوٹ آپ کی تقریر میں
ہنس کے بولے تجھ کو غافل ہے رکاوٹ کا خیال
اور ہم رہتے ہیں تیرے قتل کی تدبیر میں

نظمِ سراپا مضطرب خامہ در تہنیتِ جشنِ سرکارِ دولتمدار فریدوں فرخ سیر نواب محمد کلب علی خاں بہادر فرماں روائے رامپور دام اللہ تعالیٰ اقبالہم

قطعہ

خوشی پیارے دل طرف کیوں آج آتی ہے نظر غافل
مگر ہے جشن کس فخرِ شہنشاہانِ عالم کا
ہجومِ خرمی اتنا ہے کہ ہے ہر ایک کے دل پہ
نظر آتا نہیں عالم میں بالکل نام تک غم کا
ہوا ہے حکم جاری اہتمامِ عیش و عشرت میں
نہ رکھیں دیدۂ عشاق میں بھی نام تک نم کا
جشن اس کا ہے جس کے چوبداروں میں ہے اک خسرو
یہ جشن اُس کا ہے رتبہ جس کے آگے پست ہے جم کا
الٰہی یہ زباں اور اُس کی مدحت ہاں شجاعت ہے
زباں سے ہو ادا ذکر شجاعت ایسے رستم کا
یہ اس کا رعب ہے روزِ وغا آوے اگر دشمن
گریزاں دیکھتے ہی ہو نہ ہو وقفہ کوئی دم کا
سخاوت دیکھ کر اس کی ہوا ہے دفترِ شہرت
جہاں میں خوب ہی چرچا ہوا تھا نام حاتم کا
لکھوں کیونکر میں اس کے خلق کی اور حلم کی توصیف
یہی بس ہے نہیں کوئی بھی ثانی اُس کرم کا

سخاوت و شجاعت و خلیق ایسا حلیم ایسا | کہیں کہ تو ہے ملائکت نہ آدمی کوئی آدم کا

میسر ہو ہوا خواہوں کو اُس کے عیش ہر روزہ
عدو پہ اُس کے گزرے لحظہ لحظہ رنج اور غم کا

قطعہ در تہنیت عید بہ جناب استاد نجم الدولہ دبیر الملک نواب اسد اللہ خاں بہادر استاد ثانی المتخلص بہ غالب دام ظلہ العالی

حضور حضرت غالب یہ عرض کر عاقل | کہ روز عید ہے ہر سمت ہو نشاط و سرور
خوشی کے سیل نے دھوئی کدورت خاطر | ہوئی ہے کلفت غم آج سب کے دل سے دور
رہے زمانے میں تا نام عیش کا باقی | رہے طبیعت عالی جناب کی مسرور

مبارک ایسا یہ دن ہو کہ تا بحشر جناب
شراب خرمی و عیش میں رہیں مخمور

قطعہ در تہنیت عید بحضور پرنور فرماں روائے رام پور اعنی نواب

محمد کلب علی خاں بہادر دام اقبالہم

آج ہے روز عید اے عاقل | عرض کر چل کے تو حضور سے یوں

آپ لیں دائما مبارک باد ۔ اور میں سیم و زر کو آپ سے لوں

قطعہ در تہنیت عید الفطر بجناب قبلہ و کعبہ اُستادنا و مرشدنا

یعنی نواب مرزا قربان علی بیگ خاں صاحب المتخلص بہ سالک

عید ہے عاقل یہ کہیے چل کے اب اُستاد سے ۔ ہو میسر عیش و عشرت زندگی بھر آپ کی

رات مثل شب برات اور روز مثل روز عید
ہے دعا میری کہ گزرے دائما گھر آپ کے

قطعہ دیگر در تہنیت عید الضحیٰ در خدمت حضرت سالک مدظلہ

عیدِ قرباں ہے چل اے عاقل مبارکباد کو ۔ دے مبارک باد چل کر حضرت اُستاد کو

پیر و مرشد آوے جبتک دہر میں یہ روز عید
آپ کو ہووے مبارک آپ کی اولاد کو

قطعہ تاریخ وفات حضرت قطب زماں زبدۂ عارفاں وکاملاں مہر برج معرفت پارۂ اوج حقیقت سجادہ نشین خانقاہ شریف جناب مولانا و اولانا مولوی رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہٗ

ہائے اس مہرِ برج عرفاں کا
سو گئے بخت شہرِ دہلی ہائے
مجھ سے سال وفات عاقل نے
بس کسی کو نہیں سرِ آرام

کیا کہوں کس قدر الم ہی اب
کون ایسا نکو شیم ہی اب
یوں کہا جس سے چشم نم ہی اب
ہند میں از دیادِ غم ہی اب

۱۲ ھ ۸۳

قطعہ تاریخ طبع دیوان اوستاد سلمہ

آج یہ نسخہ چھپ چکا جس کو
کیوں نہ عاقل زبان پر لائے

خلق کہتی ہی گلستانِ کمال
نظم مطبوع سالک اس کا سال

۱۲ ھ ۸۸

قطعہ بہ مصرعہ فرمائشی

دنیا بھی وہ جگہ ہی کہ جس میں ہر ایک شخص
حسرت سے کیا کسی نے کہا ہی بوقتِ مرگ

ہی چاہتا یہی کہ ہمیشہ یہاں رہے
افسوس ہی کہ میں نہ رہوں اور جہاں رہے

مسدسات وغیرہ

مسدس شہر آشوب معہ احوال آبادی

دلّی وہ جائے تھی کہ جسے اولیائے دین
مشہور شہر ہیں تھی یہی جائے جائے دین
کہتے تھے بعد کعبہ اسی کو بنائے دین
افسوس اب رہی نہ وہ رونق فزائے دین
جو دیکھتا ہے اس کو وہ کھاتا ہے حیف حیف
پر اس فلک کو کچھ نہیں آتا ہے حیف حیف

تھا مثل اس کے کوئی نہ لے روم تا بہ شام
ہوتا نہ تھا کسی کو کبھی غم برائے نام
عیش و نشاط سے ہیں ہوتی تھی صبح و شام
ملکوں کے خاص لوگوں سے بہتر تھے یاں کے عام
کیا جانے کس گنہ میں گرفتار ہم ہوئے
جس سے ہر ایک قریہ کے دوّار ہم ہوئے

کیوں کر کروں میں رنج و مصیبت کا سب بیاں
وہ دوست وہ عزیز وہ احباب سب کہاں
قاصر ہے اس بیان سے اپنی تو بس زباں
یہ شعر اپنا آپ ہی پڑھتا ہوں کر فغاں

افسوس چرخ نے انھیں پامال کر دیا
خوش حالیوں سے ہم کو بھی بے حال کر دیا

اے چرخ بد شعار و بد انداز و بد نگاہ
جس سے کہ تو نے بھیجی یہاں لڑنے کو سپاہ
ہم لوگوں نے کیا تھا ترا ایسا کیا گناہ
اس شعبدہ سے تیرے ہوا اک جہاں تباہ

بدبخت تو ہی کہہ کہ تجھے اس میں کیا ملا
ہم کو جو تو نے خاک میں ایسا دیا ملا

کیسے مکین تو نے اٹھائے ہیں ہائے ہائے
کیسے یہ سوتے فتنے جگائے ہیں ہائے ہائے
کیسے مکان تو نے مٹائے ہیں ہائے ہائے
دل ٹھنڈے ٹھنڈے کیسے جلائے ہیں ہائے ہائے

ہم جانتے تھے تجھ کو ہو آدم سے دشمنی
دیکھا تو نکلی خاص ہی کچھ ہم سے دشمنی

آئے تھے روسیاہ کہاں سے وہ نابکار
اپنے ہی حاکموں سے وہ کرتے تھے کارزار
عالم ہوا تھا جن کے سبب سے خراب و خوار
کرتا ہوں عرض یہ میں اگر سن لے کردگار

جس جا پہ وہ گروہ ہو اس جا خراب ہو
یاں تک کہ بعدِ مرگ بھی اس پر عذاب ہو

دیکھا اُنھوں نے جب کہ اجل ہو قریب تر
یہ سوچ کر وہ پڑے بیچ بھاگے اِدھر اُدھر
حکام سر پر آئے ہیں مانندِ شیرِ نر
کچھ بھی خبر نہیں کہ گئے وہ لعیں کدھر

بدبخت ہم کو مفت میں برباد کر گئے
جو دل کہ شاد و شاد تھے آباد کر گئے

صد شکر اب کہ پھر وہی حکام ہیں بحال
ہر وقت اُن کو رہتا ہو انصاف کا خیال
جن کے بحال ہونے سے مخلوق ہو نہال
یا رب نہ ہووے اُن کو کسی وقت میں زوال

ناشاد ہو گئے تھے ہمیں شاد کر دیا
اور اس خراب شہر کو آباد کر دیا

دِلّی ہوئی تھی جیسی ہی ویران اور خراب
کہتے ہیں لوگ غدر کو اب یوں کہ تھا وہ خواب
بدلے میں اُس کے دونی ہوئی اُس کی آب و تاب
یوں مٹ گیا کہ سطحِ آبی سے بس حباب

نہ غدر کی خبر نہ ہمیں کارزار کی
ڈوبی تھی کشتی خواب میں پر حق نے پار کی

آراستہ ہوا ہی جو دل خواہ اب یہ شہر
دیکھے سے اس کے غم کو بھی آوے خوشی کی لہر
بیجا نہیں کہے جو اسے کوئی زیبِ دہر
اس سرزمیں پہ بھیجیو یا رب نہ کوئی قہر

دیکھے جو اس کو کوئی کبھی بد نگاہ سے
آنکھوں میں اُس کی سرمہ ہو روزِ سیاہ سے

سب ہو چکا ہے حضرتِ دہلی کا ماجرا
آمین کہنے کو ہے فرشتہ بھی اک کھڑا

کر ہاتھ اُٹھا کے جلدی سے عاقل تو یہ دعا
تا حشر زندہ حضرتِ غالب کو رکھ خدا

دنیا ہے مستفید جو اُس کے کلام سے
ختمِ سخن تو کیوں نہ ہو اردو اُس کے ہی نام سے

متفرقات

اشعار فارسی و غزل و قطعات تاریخ وغیرہ

مصرعہ بر بسم اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — ہست مقدس بہ کلام کریم

غزل در نعت

ہادیٔ انس و جاں رسول اللہ — حامیٔ این و آں رسول اللہ

مطلع ثانی

فخرِ شاہنشہاں رسول اللہ — سرورِ سروراں رسول اللہ

کیست واقف ز رازِ حق لیکن — واقف و رازداں رسول اللہ

دعویٔ ہر کسے شدہ باطل — رفت بر لامکاں رسول اللہ

ہست بر ہر لب اسمِ احمدِ پاک — ہست بر ہر زباں رسول اللہ

چہ نصیبے کہ وقتِ مرگ رسد — بر لبے نامِ آں رسول اللہ

من چہ گویم کہ خود عیاں دارد — شوکت و عز و شاں رسول اللہ

زر و گنج دگر دہم او را — کس رساند بہ آں رسول اللہ

نظرِ لطف و مہر کن بر من — دائم و جاوداں رسول اللہ

چہ نصیبم شود اگر باشم
بردرت پاسبان رسول اللہ

من چہ گویم کہ ظاہر است عاقل
افتخارِ جہاں رسول اللہؐ

قطعہ تاریخ وفات خواجہ ابو احمد حسب فرمائش مجیبی

جناب خواجہ ابو احمد کہ در دہر
بزرگ از عابدین و کاملیں بود
شود آخر چو آں مقدس
اگر تا حشر گویم ایں چنیں بود
کسے پرسد چو تاریخ وفاتش
بگو عاقل کہ قطب العالمیں بود

قطعہ بر مصرعہ

لازمت نیست کہ اے عاقل
گر بہ امان ملک و مال روی
کہ چنیں گفتہ اند نیدے
خاک شو پیش ازاں کہ خاک شوی

شعر

بکارِ زود گر سستی و تاخیرے نخست آید
چناں مضطر مشو عاقل کہ دیر آید درست آید

فرد

قتل کرتا ہی اک نگاہ میں وہ
اور ابھی دیکھنا نہیں آتا

فرد

آپ عاشق ہیں آپ ہیں معشوق
ہم سے کیا پوچھتے ہو کیا ہیں ہم

رباعی

برخاست که بگذرد به آهسته همه عمر	زیبا است که زیبائی تو خواهم همه عمر
باشم به غم شاه که او در سر من	التفا است به افزونی جاهم همه عمر

فرد

حرمان ما ببین که بحیث بین هزار شوق	نامه نبشته ایم و امید جواب نیست

قطعه تضمین شعر شیخ حزین در بنارس گفته شد در ۱۳۰۹ھ

شهری که نام اوست بنارس به اتفاق	یارا چو بود بخت و فلک از هوار ما
رفتیم و سیر کرده گذشتیم هر طرف	تسکین مگر نیافت دل بیقرار ما
دریای گنگ و شهر صنم خیز بوستان	افزوده شور در سر شوریده کار ما
هرچند سیر بتکده ها دل فریب بود	اما به اختلاط نشد اضطرار ما
رفتیم بهر فاتحه بر مرقد حزین	خونابه گشت و اشک فشان چشم زار ما
بیتی نوشته بدیدیم بر مزار	شعری است کاین زدید دل پر شرار ما

روشن شد از وصال تو شبهای تار ما
صبح قیامت است چراغ مزار ما

تمام شد